MUD-010

Special Study of Meer Taqi Meer and Mirza Ghalib

میرتقی میرؔ اور مرزا غالبؔ کا خصوصی مطالعہ

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی

اسکول آف ہیومنٹیز

بلاک

5

مرزا غالبؔ: فکروفن (اول)

بلاک 5 کا تعارف

اکائی 23

غالبؔ کی خطوط نگاری کا تنقیدی جائزہ 105

اکائی 24

غالبؔ کے منتخب خطوط کی تدریس وتفہیم 119

اکائی 25

غالبؔ کی اردو اور فارسی نثری تصانیف کا تعارف 137

اکائی 26

جدید اردو نثر اور غالبؔ کا اسلوب نگارش 157

بلاک 5 تعارف

پانچواں بلاک ''غالبؔ: فکروفن (اول)'' ہے۔ اس بلاک میں چار (۴) اکائیاں (اکائی نمبر ۲۳ تا ۲۶) شامل ہیں۔ یہ چاروں اکائیاں غالب کی نثری خدمات کا احاطہ کرتی ہیں۔ تیئیسویں اکائی ''غالبؔ کی خطوط نگاری کا تنقیدی جائزہ'' کے نام سے مخصوص کی گئی ہے، جس میں غالبؔ کی خطوط نگاری کی خصوصیات، امتیازات اور موضوعات کو موضوع بحث بنا کر انفرادیت، اہمیت اور معنویت کو واضح کیا گیا ہے۔ چوبیسویں اکائی میں ''غالب کے منتخب خطوط کی تدریس و تفہیم'' کے عنوان کے تحت مختلف النوع موضوعات پر مبنی پانچ خطوں کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔ پہلا خط لسانی مباحث، دوسرا خط تاریخی حادثات و واقعات، تیسرا خط تہذیب و معاشرت، چوتھا خط ''طنزیہ و مزاحیہ اور پانچواں خط مکالماتی انداز گفتگو پر مبنی ہے۔ اکائی میں پانچوں خطوط کے متن اور ان کی تشریحات کو شامل کیا گیا ہے تاکہ طلبا ان کے خطوط کی عظمت اور قدر و قیمت کو بہ خوبی سمجھ سکیں۔ پچیسویں اکائی ''غالبؔ کی اردو اور فارسی نثری تصانیف کا تعارف'' کے عنوان سے قائم کی گئی ہے۔ جس میں غالبؔ کی اردو اور فاسی کی تمام نثری خدمات مثلاً: عود ہندی، اردوے معلٰی، پنج آہنگ، مہر نیم روز، دستنبو، قاطع برہان، لطائف غیبی، سوالات عبدالکریم، نامۂ غالب اور تیغ تیز وغیرہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ چھبیسویں اکائی ''جدید اردو نثر اور غالبؔ کا اسلوب نگارش'' ہے۔ چوں کہ غالبؔ کا شمار جدید اردو نثر کے بانیان میں ہوتا ہے، اس لیے اس اکائی میں جدید اردو نثر کی روشنی میں غالبؔ کے اسلوب نگارش کا جائزہ لے کر ان کے اسلوب نگارش کی انفرادیت اور اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

اکائی 23 غالبؔ کی خطوط نگاری کا تنقیدی جائزہ

ساخت

23.1 اغراض ومقاصد

23.2 تمہید

23.3 غالبؔ کی خطوط نگاری کا تنقیدی جائزہ

23.3.1 غالبؔ کے اردو خطوط کا تعارف

23.3.2 غالبؔ کے خطوط کی ادبی اہمیت

23.3.3 غالبؔ کے خطوط کی تاریخی اہمیت

23.3.4 غالبؔ کے خطوط کی تہذیبی ومعاشرتی اہمیت

23.3.5 غالبؔ کے خطوط میں بات چیت کا انداز

23.3.6 ماحصل

23.4 آپ نے کیا سیکھا؟

23.5 اپنا امتحان خود لیجیے

23.6 سوالوں کے جوابات

23.7 فرہنگ

23.8 کتب برائے مطالعہ

23.1 اغراض ومقاصد

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ:

- غالبؔ کے خطوط کی ادبی اہمیت کو جانیں گے۔
- غالبؔ کے خطوط کی تاریخی اہمیت سے متعارف ہوں گے۔
- غالبؔ کے خطوط کی تہذیبی ومعاشرتی قدر وقیمت کو سمجھیں گے۔
- غالبؔ کے خطوط کے فن اور انداز گفتگو سے واقف ہوں گے۔
- غالبؔ کے خطوط کے محاسن سے واقفیت حاصل کریں گے۔

23.2 تمہید

عزیز طلبا! گذشتہ اکائی میں آپ نے غالب کے نمائندہ معاصرین کا مطالعہ کرکے یہ جانا کہ غالب نے اپنی طبعی جدت اور نت نئے رویوں سے اپنے معاصرین میں انفرادی شناخت پیدا کی۔نثر ونظم دونوں کو انھوں نے اپنے قوت تخیل اور تفکر سے اس بلندی تک پہنچایا کہ ان کے عہد میں اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی ہے۔اب آپ زیر نظر اکائی میں بطور دلیل نثری میدان میں غالب کی خطوط نگاری کا تنقیدی مطالعہ کریں گے۔یہ ضرور آپ جانتے ہوں گے کہ غالب کی خطوط نگاری اپنے اسلوب نگارش اور طرز اظہار کی بنا پر عظمت کا مظہر ہے۔اگر ہم اردو خطوط کے سرمایے پر نظر ڈالیں تو ہماری زبان میں زندہ اور توانا خطوط نگاری کی ابتدا غالب سے ہوتی ہے اور انھوں نے خطوط نویسی کو ایک مستقل صنف کا وقار اور اعتبار بخشا ہے۔غالب نے فارسی میں بھی خطوط لکھے مگر ان میں وہ دلکشی اور شگفتگی نہیں جو ان کے اردو خطوط کا امتیاز ہے۔ان کی زبان صاف، سادہ اور تصنع سے پاک ہے، بالکل بول چال کی زبان میں خط لکھتے ہیں اور یہی ان کی مکتوب نگاری کی بنیادی خصوصیت ہے۔

23.3 غالبؔ کی خطوط نگاری کا تنقیدی جائزہ

23.3.1 خطوط غالبؔ کا تعارف

مرزا غالبؔ شاعری کے علاوہ اردو نثر میں بھی ایک منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔ان کی نثری تحریروں میں خطوط کا سرمایہ گراں قدر ہے۔غالب کے خطوط اردو ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں اور اردو نثر کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔یہ خطوط ایک طرف ان کی شخصیت کی نمائندگی کرتے ہیں تو دوسری جانب اس دور کی تاریخی، سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے آئینہ دار بھی ہیں۔غالب کے مخصوص اسلوب کی وجہ سے ان کے خطوط کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔غالب سے قبل بھی اردو میں خطوط کے نمونے ملتے ہیں۔لیکن خطوط غالب جیسی خصوصیات اور انفرادیت ان میں نہیں ملتی ہے۔غالب کی زبان صاف، سادہ اور تصنع سے پاک ہے۔بالکل بول چال کی زبان میں خط لکھتے ہیں۔عام طور پر خطوط خیر وعافیت دریافت کرنے یا اپنی خیریت سے مکتوب الیہ کو آگاہ کرنے کے لیے لکھے جاتے ہیں، لیکن غالب جدّت پسند تھے، پامال راستوں پر چلنا انھیں پسند نہیں تھا اس لیے انھوں نے اس میں نئی راہ نکالی۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کے خطوط میں علمی، ادبی، لغوی مباحث بکثرت ملتے ہیں۔اس کے علاوہ ان کے خطوط میں اپنے معاصرین کا تذکرہ، شعرا کے کلام پر رائے اور مشکل اشعار کی تشریح بھی ملتی ہے۔مزید برآں تہذیب و معاشرت کی عکاسی بھی ان خطوط سے ہوتی ہے۔خطوطِ غالب کی انھی خصوصیات کی بنیاد پر ان کے بعض احباب اور شاگردوں کو یہ خیال ہوا کہ ان کے خطوط کو یکجا کر کے شائع کر دینا چاہیے۔چنانچہ غالب کی زندگی میں ہی اس کے لیے محنت اور تگ ودو شروع ہوگئی۔ان محنت کرنے والوں میں

خود غالب کے علاوہ چودھری عبد الغفور سرور، غلام غوث بے خبر، منشی ممتاز علی خاں، میر مہدی مجروح، منشی جواہر سنگھ جوہر، میر فخر الدین، لالہ بہاری لعل، اور علاء الدین خاں علائی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد اردو کے نامور اور اہم محققین مثلاً مولانا امتیاز علی خاں عرشی، مولوی مہیش پرشاد، آفاق حسین آفاق، مولانا غلام رسول مہر، مالک رام اور ڈاکٹر خلیق انجم وغیرہ نے بھی اس کی تحقیق و تدوین کی جانب توجہ کی۔ نتیجے کے طور پر خطوط غالب کے مختلف مجموعے شائع ہو کر منظر عام پر آئے۔

اس سلسلے کا پہلا مجموعہ غالب کی زندگی میں ہی ''عود ہندی'' کے نام سے مطبع مجتبائی، میرٹھ سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔ دوسرا اہم مجموعہ ''اردوئے معلیٰ'' ہے اس کی اشاعت اکمل المطابع، دہلی سے غالب کی وفات کے ۱۹ دن بعد یعنی ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو عمل میں آئی۔ تیسرا اور اب تک کا سب سے اہم مجموعہ ''مکاتیب غالب'' ہے۔ جسے اردو کے نامور محقق مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے تحقیق و تدوین کے جدید اصولوں کی روشنی میں مرتب کیا ہے اور یہ ۱۹۳۷ء میں مطبع قیّمہ، بمبئی سے شائع ہوا۔ چوتھا مجموعہ ''خطوط غالب'' کے نام سے مولوی مہیش پرشاد نے مرتب کیا، اس کی اشاعت ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد سے ۱۹۴۱ء میں عمل میں آئی۔ پانچواں مجموعہ ''نادرات غالب'' کے نام سے آفاق حسین آفاق نے ''ادارۂ نادرات'' کراچی سے ۱۹۴۹ء میں شائع کیا، چھٹا مجموعہ مولانا غلام رسول مہر نے ''خطوط غالب'' کے نام سے دو جلدوں میں ۱۹۵۱ء میں کتاب منزل، لاہور سے شائع کیا۔ ساتواں مجموعہ ''خطوط غالب'' مرتّبہ مالک رام ہے، جسے ۱۹۶۲ء میں انجمن ترقی اردو، ہند نے شائع کیا ہے۔ آٹھواں اور اب تک کا سب سے جامع اور آخری مجموعہ ''غالب کے خطوط'' مرتّبہ ڈاکٹر خلیق انجم ہے۔ اسے غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد ۱۹۸۴ء میں، دوسری جلد ۱۹۸۵ء میں، تیسری جلد ۱۹۸۷ء اور چوتھی جلد ۱۹۹۳ء میں منظر عام پر آئی۔

32.3.2 غالبؔ کے خطوط کی ادبی اہمیت

غالبؔ کے خطوط میں جہاں ایک طرف ان کے زمانے کی تاریخی، سیاسی، سماجی اور معاشی حالات، ان کی شخصیت اور ان کے عہد کی تہذیب و معاشرت کی عکاسی ہوتی ہے۔ وہیں دوسری جانب ان کے خطوط میں لسانی اور ادبی مباحث بھی بہ کثرت ملتے ہیں۔ جن کی نوعیت مختلف ہے۔ لسانی مباحث کے ذیل میں بیشتر فارسی الفاظ و محاورات اور بعض اردو الفاظ زیرِ بحث آئے ہیں۔ کہیں لفظ کی صحت سے متعلق بحث ہے اور کہیں اس کے معنی بتائے ہیں۔ غالب نے اپنے خطوط میں فارسی اور اردو الفاظ پر مشتمل مرکب ترکیبوں سے متعلق گفتگو کی ہے، جن میں محاورات کے علاوہ بعض صحیح اور غلط ترکیبیں شامل ہیں۔ لسانی مباحث کے ضمن میں قواعد زبان، تذکیر و تانیث اور املا وغیرہ کے مسائل بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔

جہاں تک غالب کے خطوط کی ادبی اہمیت کا معاملہ ہے تو ان کے خطوط ادبی مباحث و نکات کے لحاظ سے بھی

نہایت اہم ہیں، مثلاً ہم ان کی مدد سے اشعار کی تفہیم و تشریح اور شرح نگاری کے بعض اصولوں کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ غالبؔ نے اپنے خطوط میں احباب اور شاگردوں کی فرمائش پر خود اپنے اور فارسی کے بعض شعرا کے اشعار کی تفہیم و توضیح کی ہے۔ اس طرح کے تمام خطوط ادبی لحاظ سے نہایت دلچسپ، اہم اور قابلِ مطالعہ ہیں۔ غالب نے اپنے خطوط میں اپنے بعض شاگردوں کو ان کے کلام پر اصلاحیں بھی دی ہیں۔ جن میں کہیں تو انھوں نے ردیف و قافیہ سے متعلق گفتگو کی ہے، کہیں قواعدِ زبان کے بارے میں بتایا ہے۔ کہیں شعر کا مضمون برقرار رکھتے ہوئے اس کی زبان درست کر دی ہے۔ کہیں معشوق حقیقی و مجازی کے ضمن میں صیغوں سے متعلق گفتگو کی ہے۔ اور کہیں مصرعوں کی تقدیم و تاخیر کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ علم قافیہ سے متعلق بعض اصطلاحات مثلاً ایطا (ایطائے جلی، ایطائے خفی) معمول، غلو، تحریف روی اور تغیر وغیرہ کے مباحث بھی غالب کے خطوط میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم عروض اور اس کی بعض اصطلاحات مثلاً بحر ہزج مسدس مخبون، بحر رمل اور تقطیع وغیرہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ رباعی کے اوزان سے متعلق بھی گفتگو کی ہے اور بعض اصولوں کی جانب اپنے شاگردوں کو متوجہ کیا ہے۔ علم بلاغت کے مسائل اور مباحث بھی غالب نے اپنے خطوط میں چھیڑے ہیں جن میں تنافر، صنعت ذوقافتین، تعقید معنوی و تعقید لفظی، لف و نشر اور مبالغہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

نثر سے متعلق اس کی قسموں کا ذکر بھی غالب کے خطوط میں ملتا ہے مثلاً: نثر عاری، نثر مسجع اور نثر مرجز وغیرہ کی تعریف بھی ملتی ہے۔ غالبؔ نے اپنے خطوط میں مختلف ادبا و شعرا اور لغت نویس کا ذکر بھی کیا ہے جن میں فارسی کے علاوہ اردو ادبا و شعرا شامل ہیں۔ اب دو طرح کی مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔ اصلاح شعر سے متعلق غالب کا ایک خط نقل کیا جا رہا ہے جو مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام ہے:

> ”یہ غلطی تمہارے کلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر ناموزوں ہو۔ بڑی قباحت یہ کہ ’اعم‘ بہ تشدید لفظ عربی ہے۔
>
> دیگر نتواں گفت اخص را کہ اعم است
>
> مگر بحر اور ہو جاتی ہے۔ مانا کہ فارسی نویسان عجم نے یوں بھی لکھا ہو، کاف کے اسقاط کی کیا توجیہ کرو گے؟ اور پھر اس صورت میں بھی تو بحر بدل جاتی ہے۔
>
> ناچار اس شعر کو نکال ڈالو‘‘

(غالبؔ کے خطوط، ڈاکٹر خلیق انجم، ص: ۳۴۲-۳۴۱)

اس خط میں غالب نے تفتہ کے ایک مصرعے پر اصلاح دی ہے۔ چنانچہ غالب لکھتے ہیں کہ ’اعم‘ عربی میں مشدّد ہے، لیکن فارسی میں اسے تخفیف بھی باندھتے ہیں۔ تم نے اسے فارسی میں مشدّد نظم کر دیا ہے، جو غلط ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ اس مصرعے کی بحر اوپر کے اشعار سے مختلف ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ لفظ ’کہ‘ کے استعمال کی وجہ سے بحر ناموزوں ہو جارہی ہے۔

مذکورہ بحث سے جو اصول برآمد ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر کسی عربی الاصل کلمے کا تلفظ فارسی یا اردو میں تبدیل ہو جائے تو اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ ایسے موقع پر اصل عربی تلفظ کا لحاظ غلط ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اگر کسی لفظ کے استعمال سے مصرع ناموزوں ہو جائے اور اس میں اصلاح کی گنجائش نہ ہو تو اس مصرع یا شعر کو نکال دینا چاہیے۔

غالبؔ نے تفتہؔ کے نام اپنے ایک خط میں عروض سے متعلق ایک مسئلہ اٹھایا ہے وہ لکھتے ہیں:

''صاحب! جہاں تقطیع میں 'الف' نہ سمائے وہاں کیوں لکھو۔''

(ص:۲۶۶)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے اپنے کسی مصرعے کے وزن سے متعلق غالبؔ سے یہ دریافت کیا ہے کہ الف، وزن میں نہیں سما رہا ہے، اس کے لیے کیا کروں؟ اس کے جواب میں غالب نے لکھ دیا ہے کہ جب تقطیع میں 'الف' نہ سمائے تو کوئی دوسرا مناسب لفظ استعمال کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ مسئلہ کا کوئی اور حل نہیں ہے۔

تفتہ کے نام غالب کے اس خط میں تقطیع کا لفظ آیا ہے۔ تقطیع علم عروج کی اصطلاح ہے۔

23.3.3 غالبؔ کے خطوط کی تاریخی اہمیت

غالبؔ نے اپنے خطوط میں ایک طرف جہاں دیگر مسائل و مباحث سے تعرض کیا ہے وہیں تاریخی حالات و کوائف بھی ان کے خطوط میں جا بجا ملتے ہیں۔ غالب اپنی آنکھوں سے مغلیہ سلطنت ختم ہوتے دیکھ رہے تھے اور انگریزوں کا ہندوستان پر تسلط قائم ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے جب ہوش سنبھالا تو مشرقی اور مغربی افکار میں کشاکش پرانی اور نئی اقدار میں کشمکش کا دور دورہ تھا، کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام اس بات کی علامت تھی کہ اب مغربی علوم وفنون کے ذریعے مشرقی نظام کو ختم کرنا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک زبردست برطانوی حکومت کی شکل میں اپنے قدم ہندوستان میں جما لیے تھے۔ نئی حکومت اور ایجادات نے ہندوستانی ذہن کو متزلزل کر دیا اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اب مغل دورِ حکومت بالکل آخری مرحلے میں ہے اور ہندوستان کا دانشور طبقہ بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ آئندہ زمانہ انگریزوں کا ہوگا اور انگریزی حکومت کا ہوگا۔

غالبؔ کے خطوط میں تاریخی جھلکیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ انھوں نے دلی کی تاریخی حیثیت کا ذکر بہت دکھ بھرے انداز میں کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے وہ چشم دید گواہ تھے، انھوں نے اس نقطۂ نظر سے ایک روزنامچہ ''دستنبو'' کے نام سے لکھا تھا جس میں تاریخی ترتیب سے دلی کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد دلی کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے اپنے شاگردوں اور احباب کو متعدد خطوط لکھے ہیں۔ اپنے چہیتے شاگرد مرزا ہر گوپال تفتہؔ کو اسی نوعیت کا ایک خط لکھا ہے، جس میں انھوں نے اپنے عزیزوں، دوستوں اور شاگردوں کے قتل کا ذکر کیا ہے۔ یعنی ایک تو ان کا اپنا غم تو تھا ہی، دوسری جانب ۱۸۵۷ء میں عزیزوں و دوستوں کا قتل اور دلی کی تباہی نے

ان کے ذہن ودماغ کو متزلزل کردیا۔تفتہ کو لکھتے ہیں:

''یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں۔ جو دکھ مجھ کو ہے، اس کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔انگریز کی قوم میں سے جوان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے، اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی میرا شفیق اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیوں میں کچھ عزیز، کچھ دوست، کچھ شاگرد، کچھ معشوق، سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے۔جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو، اس کو زیست کیوں کر نہ دشوار ہو، ہائے! اتنے یار مرے کہ جواب میں مروں گا، تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔''

(غالبؔ کے خطوط، خلیق انجم، ص:۲۸۱)

اسی طرح نواب علاء الدین خان علائی کے نام ایک خط میں دلی کی تباہی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کل تمہارے خط میں دوبار یہ کلمہ مرقوم دیکھا کہ دلی بڑا شہر ہے، ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔اے میری جان! یہ وہ دلی نہیں ہے، جس میں تم پیدا ہوئے ہو، وہ دلی نہیں ہے، جس میں تم نے علم تحصیل کیا ہے۔وہ دلی نہیں ہے جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے، وہ دلی نہیں ہے جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں، وہ دلی نہیں ہے جس میں اکیاون برس سے مقیم ہوں۔ایک کنپ ہے مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیشہ، باقی سراسر ہنود۔''

(غالبؔ کے خطوط، خلیق انجم، ص:۳۸۴)

بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر ۱۸۵۷ء کے بعد کی دلی ہمیں دیکھنی ہے یا اس کا مشاہدہ کرنا ہے تو غالب کے خطوط بہتر ذریعہ ہیں، ہم ان کی مدد سے عہد غالب کی پوری تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، کیوں کہ ان خطوط میں دلی کی تباہی کا ذکر تو ہے ہی ساتھ وہ پورا زمانہ قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ غالب نے میر مہدی مجروح کے نام اپنے ایک خط میں دلی کی تباہی کا ذکر تے ہوئے لکھا ہے، جسے پڑھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے خط دیکھیے:

''او میاں سید زادۂ آزادہ، دلی کے عاشق دل دادہ، ڈھئے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے، حسد سے لکھنؤ کو برا کہنے والے۔نہ دل میں مہر و آزرم، نہ آنکھ میں حیا و شرم۔ نظام الدین ممنون کہاں، ذوق کہاں، مومن خاں کہاں، ایک آزردہ سو خاموش، دوسرا غالب، وہ بے خود و مدہوش، نہ سخن وری رہی، نہ سخن دانی، کس

برتے پرتا پانی؟ ہائے دلی! وائے دلی! بھاڑ میں جائے دلی‘‘

(غالبؔ کے خطوط،خلیق انجم،ص:۵۲۵)

23.3.4 غالب کے خطوط کی تہذیبی ومعاشرتی اہمیت

کسی بھی ادیب یا شاعر کی تحریروں/تخلیقات میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس دور کی معاشرت کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوتی ہے۔ بسااوقات وہ اپنے خیالات کو اپنے ہی گرد وپیش کی چیزوں سے متاثر ہوکر اپنی تحریروں میں ظاہر کرتا ہے،اس طرح اس کی تخلیق میں زمانے کا رنگ بھی شامل ہوجاتا ہے۔ یہ خوبی غالب کے خطوط میں بھی ہے۔ان میں جا بجا تہذیبی ومعاشرتی رنگ بکھرا ہوا ہے۔یعنی غالب کے خطوط سے ان کے زمانے کی تہذیب و معاشرت کی عکاسی ہوتی ہے،جس سے اس دور کی معاشرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ غالب کے خطوط کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم غالب کے ہی زمانے میں زندگی گزار رہے ہیں۔لہٰذا اب ہم عہد غالب کی تہذیبی ومعاشرتی زندگی کے نمونے غالب کے خطوط سے پیش کریں گے تاکہ اندازہ ہو کہ اس زمانے میں خواص و عوام کے طور طریقے کیا تھے۔

عہد غالب میں شرفا کی زندگی عوام سے مختلف تھی۔یعنی ان کے رہنے سہنے، ملنے جلنے کا انداز جدا تھا۔ایک عام طریقہ یہ تھا اگر کوئی عالی مرتبت شخص ان کے یہاں ملنے آتا تھا تو میزبان کا فرض تھا کہ وہ بازدید کو جاتا اور اگر اسے کوئی عذر درپیش ہوتا تو وہ اپنے کسی آدمی کے ذریعے سے اس کی مزاج پُرسی کرتا۔اس طرح کا ایک واقعہ غالب کے ساتھ بھی پیش آیا۔رائے امید سنگھ بہادر جو سکریٹری مغربی وشمالی کے دفتر میں فارسی کے ترجمان اور مترجم تھے،اس کے علاوہ فارسی اور اردو میں اچھی استعداد رکھتے تھے جب غالب کے یہاں تشریف لائے،تو غالب اپنی بیماری کی وجہ سے ان کی بازدید کو نہیں جاسکے۔اس کا ذکر انھوں نے مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں اس طرح کیا ہے:

’’بہر حال میرے پھوڑے نکل رہے ہیں۔میں بازدید کو نہیں گیا۔‘‘

(غالبؔ کے خطوط،ص:۳۱۴)

اسی طرح جب کوئی شخص کسی کے یہاں جاتا تو جانے سے قبل اپنے آنے کی اطلاع دے دیتا تھا۔اگر کبھی بغیر بتائے کوئی شخص کسی کے یہاں چلا جاتا تو یہ بات خلاف معمول ہوتی۔اس کی مثال بھی غالب کے خطوط میں ملتی ہے۔یہ واقعہ بھی راجا امید سنگھ ہی کے ساتھ پیش آیا کہ وہ اچانک غالب کے یہاں تشریف لائے۔چنانچہ تفتہ کو لکھتے ہیں۔

’’آج چوتھا دن ہے یعنی منگل کے دن،کوئی پہر دن چڑھا ہوگا کہ راجا امید سنگھ

بہادرنا گاہ میرے گھر تشریف لائے۔''

عہد غالب میں بازاری پیشہ وروں میں ایک پیشہ بھاٹ کا بھی تھا، جوگیت سناتا اور دَر دَر جاکر اور جھوٹی تعریف کر کے لوگوں سے پیسے وصول کرتا۔ بھاٹ کی صفت خوشامد ہے۔ اسی خوشامد کا ذکر غالب نے کیا ہے، لیکن اپنی ذات کے لیے۔ نواب علاء الدین خاں علائی نے حسب عادت ان سے تازہ کلام کی فرمائش کی، اس پر غالب نے طنزیہ پیرایہ میں علائی کو ایک خط میں لکھا:

''اشعار تازہ مانگتے ہو، کہاں سے لاؤں؟ عاشقانہ اشعار سے مجھ کو وہ بُعد ہے جو ایمان سے کفر کو، گورمنٹ کا بھاٹ تھا، بھٹئی کرتا تھا، خلعت پاتا تھا۔ خلعت موقوف، بھٹئی متروک۔''

(غالبؔ کے خطوط، ص:۳۶۶)

بازار میں ہی پھیری والے ہوتے تھے اور وہ کتابیں لے کر گھومتے رہتے تھے، اہل ذوق ان سے خریدتے تھے۔ غالب کے بعض خطوط سے اس عہد میں کتابوں کی خرید وفروخت سے متعلق اہم باتوں کا علم ہوتا ہے۔ مرزا ہر گوپال تفتہ کو اس ضمن میں غالب لکھتے ہیں:

''دوپہر کو رضی الدین نیشاپوری کا کلام ایک شخص بیچتا ہوا لایا۔ میں تو کتاب کو دیکھ لیتا ہوں۔ مول نہیں لیتا۔''

(غالبؔ کے خطوط، ص:۲۸۳)

غالب کے خطوط میں خورد ونوش کی اشیا کا ذکر بھی اس عہد کی معاشرت کا ایک اہم پہلو واضح کرتا ہے۔ اس معاشرت میں کھانے کی مختلف چیزیں استعمال ہوتی تھیں۔ خود غالب کے دسترخوان پر متعدد چیزیں ہوتی تھیں۔ خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر مصری بہت پسند کی جاتی تھی۔ غالب کو بیکانیر کی مصری بہت مرغوب تھی۔ اس پس منظر میں غالب کا ایک خط جو علائی کے نام ہے، جس میں کھانے کی مختلف اشیا کے ساتھ ساتھ مصری کا ذکر بھی آگیا ہے:

''خصیّ بکروں کے گوشت کے قلیے، دوپیازے، پلاؤ، کباب جو کچھ تم کھا رہے ہو، مجھ کو خدا کی قسم اگر اس کا کچھ خیال بھی آیا ہو، خدا کرے بیکانیر کی مصری کا کوئی ٹکڑا تم کو میسّر نہ آیا ہو، کبھی یہ تصور کرتا ہوں کہ میر جان صاحب اس مصری کے ٹکڑے چبا رہے ہوں گے، تو یہاں میں رشک سے اپنا کلیجہ چبانے لگتا ہوں۔''

(غالب کے خطوط، ص:۳۷۹)

عہد غالب کی معاشرت اور اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں جتنی اور جیسی معلومات غالب کے خطوط سے حاصل ہوتی ہیں دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔

23.3.5 غالبؔ کے خطوط کے میں بات چیت کا انداز

اردو نثر میں غالب ایک منفرد حیثیت کے مالک شمار ہیں۔انھوں نے خطوط نویسی کو ایک مستقل صنف کا وقار اور اعتبار بخشا ہے۔غالب نے فارسی میں بھی خطوط لکھے مگر ان میں وہ دلکشی اور شگفتگی نہیں جو ان کے اردو خطوط کا امتیاز ہے۔ان کی زبان صاف، سادہ اور تصنّع سے پاک ہے، بالکل بول چال کی زبان میں خط لکھتے ہیں اور یہی ان کی مکتوب نگاری کی بنیادی خصوصیت ہے۔

انھوں نے خطوط کو گفتگو کا بدل قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ میرا وقت خطوط کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔غالب ۱۸۵۷ء کے بعد جب اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے، اس وقت خطوط ہی ان کا دل بہلانے کا ذریعہ ہوا کرتے تھے۔مرزا ہرگوپال تفتہ کو لکھا ہے جس میں تنہائی کا ذکر ہے اور گفتگو کا انوکھا انداز بھی نظر آتا ہے۔ خط اس طرح ہے:

> ''کیوں صاحب روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی؟ اور اگر کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔ یعنی جس کا خط آیا، میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا، جو اطراف وجوانب سے دو چار خط نہیں آرہتے ہوں بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔ ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب دس دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا یعنی تم نہیں آئے۔''

(غالبؔ کے خطوط، ص:۳۰۷)

غالب کے خط لکھنے کا یہ انداز بالکل الگ نوعیت کا ہے اور ان کی اصل شناخت یہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رو برو بات کر رہے ہیں۔ غالب نے ایک خط میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ میں نے مراسلہ کا مکالمہ بنا دیا ہے۔ مرزا حاتم علی مہر کے نام غالب کا یہ خط پیش ہے:

> ''مرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبان قلم باتیں کیا کرو، ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھ سے بات کرنے کی قسم کھائی ہے؟ اتنا تو کہو کہ یہ کیا بات تمہارے جی میں آئی

ہے؟ برسوں ہوگئے کہ تمہارا خط نہیں آیا، نہ اپنی خیر و عافیت لکھی، نہ کتابوں کا بیورا بھجوایا۔''

(غالبؔ کے خطوط، ص:۱۰۷)

بات چیت کا یہ نادر وانوکھا انداز دیکھیے جو غالب نے منشی نبی بخش حقیر کے نام خط میں لکھا ہے:

''یہ میں باتیں کر رہا ہوں، خط نہیں لکھتا، مگر افسوس کہ اس گفتگو میں وہ لطف نہیں، جو مکالمہ زبانی میں ہوتا ہے۔ یعنی میں ہی بک رہا ہوں تم کچھ نہیں کہتے۔''

(خطوط غالبؔ)

روبرو بات چیت کا انداز اس خط میں زیادہ دلچسپ انداز میں نظر آتا ہے جو انھوں نے میر مہدی مجروح کے نام خط میں لکھا ہے:

''اہا ہا! میرا پیارا مہدی آیا۔ آؤ بھائی، مزاج تو اچھا ہے؟ بیٹھو یہ رام پور ہے دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے؟ پانی، سبحان اللہؐ۔''

(غالبؔ کے خطوط، ص:۵۱۷)

بحیثیت مجموعی ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالبؔ کے خطوط میں جو جدّت اور انوکھا انداز دیکھنے کو ملتا ہے وہ ایسے ہی خطوط ہیں جہاں انھوں نے بات چیت کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ دیگر خطوط کی نوعیت بالکل الگ ہے۔ یعنی جہاں انھوں نے ادبی لغوی، لسانی، علمی، طبی، تاریخی، سیاسی، معاشی، معاشرتی، تہذیبی مباحث چھیڑے ہیں وہاں علمی انداز ملتا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ غالب کے خطوط کی مختلف جہات ہیں، اور ان میں متنوع رنگ دیکھنے کو ملتا ہے اور قاری ان کے مطالعے کے بعد مختلف کیفیتوں سے دوچار ہوتا ہے۔

23.3.6 ماحصل

ماحصل یہ ہے کہ غالب کی عظمت اگرچہ ان کی شاعری کی وجہ سے ہے، لیکن ان کی نثری تحریروں میں خطوط کا سرمایہ بھی گراں قدر ہے اور اردو نثر کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ خطوط اگر ایک طرف ان کی شخصیت کی نمائندگی کرتے ہیں تو دوسری جانب تاریخی، سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے آئینہ دار بھی ہیں۔ مزید یہ کہ غالب کے مخصوص اسلوب کی وجہ سے ان کے خطوط اور بھی دلچسپ ہو جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں فکر کا عنصر، تخیل کی کارفرمائی اور فلسفیانہ رنگ غالب ہے، جب کہ خطوط میں وہ بے تکلف باتیں کرتے ہوئے نظر

آتے ہیں۔

عام طور پر خطوط خیروعافیت دریافت کرنے یا اپنی خیریت سے مکتوب الیہ کو باخبر کرنے کے لیے لکھے جاتے ہیں، لیکن غالب نے اس میں جدّت پیدا کی۔ان کے خطوط میں ادبی، علمی، لغوی مباحث کی کثرت ہے۔انھوں نے اپنے معاصرین کا ذکر بھی بہت اہتمام سے کیا ہے۔اپنے اشعار کی تشریح کے ساتھ ساتھ دوسرے شعرا کے اشعار کی تشریح، شعرا کے کلام پر رائے اور مشکل اشعار کی تشریح ان کے خطوط میں بکثرت موجود ہے۔اس کے علاوہ ان کے خطوط سے اپنے زمانے کی تہذیب و معاشرت کی عکّاسی بھی ہوتی ہے، جس سے اس دور کی معاشرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

غالبؔ کے خطوط کے ذریعے ہم ادبی، لغوی، لسانی، معاشی، معاشرتی، علمی، طبّی، تاریخی، سیاسی، سماجی، طنزیہ و مزاحیہ، کے علاوہ گفتگو کا انداز اور القاب وآداب کا نیا طریقہ وغیرہ امور سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔حاصل کلام یہ ہے کہ غالب کے خطوط صرف خطوط نہیں ہیں، بلکہ ایک گلدستہ ہے جس میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے ہیں اور ان کی خوشبوئیں الگ الگ ہیں۔

23.4 آپ نے کیا سیکھا؟

عزیز طلبا! اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے:

- غالبؔ کی خطوط نگاری کے موضوعات ومضامین سے واقفیت حاصل کی۔
- غالبؔ کے خطوط کے متعدد مجموعوں کی سال اشاعت اور مطبع کو جانا۔
- غالبؔ کے خطوط کے انداز بیان اور ان کی خطوط نگاری کے امتیازات سے آگہی حاصل کی۔
- تاریخی اور معاشرتی حیثیت سے غالب کے خطوط کے بعض نمونوں سے استفادہ کیا۔
- غالبؔ کے خطوط کی ادبی قدر و قیمت اور معنویت کا ادراک کیا۔

23.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ غالبؔ کے خطوط کی اہمیت پر مختصراً روشنی ڈالیے۔

۲۔ غالبؔ کے خطوط کی مختلف اشاعت کے متعلق اپنی معلومات کو قلم بند کیجیے۔

۳۔ غالبؔ کے خطوط کی تاریخی حیثیت پر ایک مجمل مضمون لکھیے۔

۴۔ غالبؔ کے خطوط کی تہذیب ومعاشرت پر روشنی ڈالیے۔

۵۔ ''غالبؔ نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا ہے۔'' کسی ایک مثال سے اس قول کی تائید کیجیے۔

23.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ غالبؔ کے خطوط اردو ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہیں اور اردو نثر کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ خطوط ایک طرف ان کی شخصیت کی نمائندگی کرتے ہیں تو دوسری جانب اس دور کی تاریخی، سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے آئینہ دار بھی ہیں۔ غالب کے مخصوص اسلوب کی وجہ سے ان کے خطوط کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ ان کے خطوط میں علمی، ادبی، لغوی مباحث بکثرت ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے خطوط میں اپنے معاصرین کا تذکرہ، شعرا کے کلام پر رائے اور مشکل اشعار کی تشریح بھی ملتی ہے۔ مزید برآں تہذیب و معاشرت کی عکاسی بھی ان خطوط سے ہوتی ہے۔ غالب کے خطوط کی مختلف جہات ہیں، اور ان میں متنوع رنگ دیکھنے کو ملتا ہے اور قاری ان کے مطالعے کے بعد مختلف کیفیتوں سے دوچار ہوتا۔

۲۔ غالبؔ کے خطوط کا پہلا مجموعہ ان کی زندگی میں ہی ''عود ہندی'' کے نام سے مطبع مجتبائی، میرٹھ سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔ دوسرا اہم مجموعہ ''اردوئے معلیٰ'' ہے اس کی اشاعت اکمل المطابع، دہلی سے غالب کی وفات کے ۱۹ دن بعد یعنی ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو عمل میں آئی۔ تیسرا اور اب تک کا سب سے اہم مجموعہ ''مکاتیب غالب'' ہے۔ جسے اردو کے نامور محقق مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے تحقیق و تدوین کے جدید اصولوں کی روشنی میں مرتب کیا ہے اور یہ ۱۹۳۷ء میں مطبع قیمہ، بمبئی سے شائع ہوا۔ چوتھا مجموعہ ''خطوط غالب'' کے نام سے مولوی مہیش پرشاد نے مرتب کیا، اس کی اشاعت ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد سے ۱۹۴۱ء میں عمل میں آئی۔ پانچواں مجموعہ ''نادرات غالب'' کے نام سے آفاق حسین آفاق نے ''ادارۂ نادرات'' کراچی سے ۱۹۴۹ء میں شائع کیا، چھٹا مجموعہ مولانا غلام رسول مہر نے ''خطوط غالب'' کے نام سے دو جلدوں میں ۱۹۵۱ء میں کتاب منزل، لاہور سے شائع کیا۔ ساتواں مجموعہ ''خطوط غالب'' مرتبہ مالک رام ہے، جسے ۱۹۶۲ء میں انجمن ترقی اردو، ہند نے شائع کیا ہے۔ آٹھواں اور اب تک کا سب سے جامع اور آخری مجموعہ ''غالب کے خطوط'' مرتبہ ڈاکٹر خلیق انجم ہے۔ اسے غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی نے شائع کیا ہے۔ یہ مجموعہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد ۱۹۸۴ء میں، دوسری جلد ۱۹۸۵ء میں، تیسری جلد ۱۹۸۷ء اور چوتھی جلد ۱۹۹۳ء میں منظر عام پر آئی۔

۳۔ غالبؔ نے اپنے خطوط میں ایک طرف جہاں دیگر مسائل و مباحث سے تعرض کیا ہے وہیں تاریخی حالات و کوائف بھی ان کے خطوط میں جابجا ملتے ہیں۔ غالب اپنی آنکھوں سے مغلیہ سلطنت ختم ہوتے دیکھ رہے تھے اور انگریزوں کا ہندوستان پر تسلط قائم ہوتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے جب ہوش سنبھالا

تو مشرقی اور مغربی افکار میں کشاکش پرانی اور نئی اقدار میں کشمکش کا دور دورہ تھا، کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کا قیام اس بات کی علامت تھی کہ اب مغربی علوم وفنون کے ذریعے مشرقی نظام کو ختم کرنا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک زبردست برطانوی حکومت کی شکل میں اپنے قدم ہندوستان میں جما لیے تھے۔ نئی حکومت اور ایجادات نے ہندوستانی ذہن کو متزلزل کر دیا اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ اب مغل دورِ حکومت بالکل آخری مرحلے میں ہے اور ہندوستان کا دانشور طبقہ بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ آئندہ زمانہ انگریزوں کا ہوگا اور انگریزی حکومت کا ہوگا۔ غالب کے خطوط میں تاریخی جھلکیاں جابجا نظر آتی ہیں۔ انھوں نے دلی کی تاریخی حیثیت کا ذکر بہت دکھ بھرے انداز میں کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے وہ چشم دید گواہ تھے، انھوں نے اس نقطۂ نظر سے ایک روزنامچہ ''دستنبو'' کے نام سے لکھا تھا جس میں تاریخی ترتیب سے دلی کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد دلی کی حقیقت کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے اپنے شاگردوں اور احباب کو متعدد خطوط لکھے ہیں۔

۴۔ غالبؔ کے خطوط میں جابجا تہذیبی و معاشرتی رنگ بکھرا ہوا ہے۔ یعنی غالب کے خطوط سے ان کے زمانے کی تہذیب و معاشرت کی عکاسی ہوتی ہے، جس سے اس دور کی معاشرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ عہد غالب میں شرفا کی زندگی عوام سے مختلف تھی۔ یعنی ان کے رہنے سہنے، ملنے جلنے کا انداز جدا تھا۔ ایک عام طریقہ یہ تھا اگر کوئی عالی مرتبت شخص ان کے یہاں ملنے آتا تھا تو میزبان کا فرض تھا کہ وہ باز دید کو جاتا اور اگر اسے کوئی عذر درپیش ہوتا تو وہ اپنے کسی آدمی کے ذریعے سے اس کی مزاج پُرسی کرتا۔ اس طرح کا ایک واقعہ غالب کے ساتھ بھی پیش آیا۔ رائے امید سنگھ بہادر جو سکریٹری مغربی وشمالی کے دفتر میں فارسی کے ترجمان اور مترجم تھے، اس کے علاوہ فارسی اور اردو میں اچھی استعداد رکھتے تھے جب غالب کے یہاں تشریف لائے، تو غالب اپنی بیماری کی وجہ سے ان کی باز دید کو نہیں جاسکے۔ عہد غالب کی معاشرت اور اجتماعی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں جتنی اور جیسی معلومات غالب کے خطوط سے حاصل ہوتی ہیں دوسرے ذرائع سے حاصل نہیں ہوسکتیں۔

۵۔ ''مراسلہ کو مکالمہ بنانے'' کی ایک مثال مکتوب الیہ میر مہدی مجروح کے نام لکھے گئے خط میں دیکھیے:

> ''اہا ہاہا! میرا پیارا مہدی آیا۔ آؤ بھائی، مزاج تو اچھا ہے؟ بیٹھو یہ رام پور ہے دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے؟ پانی، سبحان اللہ۔''

(غالبؔ کے خطوط، ص: ۵۱۷)

23.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معنی)
باریابی	:	رسائی حاصل کرنا
بازدید	:	جوابی ملاقات، کوئی ملاقات کے لیے آئے تو اس کے بعد اس سے خود ملنے جانا
تنوّع	:	قسم قسم کا ہونا
مکتوب الیہ	:	جس کے نام خط لکھا گیا
مکتوب نگار	:	خط لکھنے والا
تعزیت	:	ماتم پرسی، ماتم
تہنیت	:	مبارک باد
چشم دید	:	اپنی آنکھوں سے دیکھنا
تعرّض	:	بات کہنا
تحصیل	:	حاصل کرنا
خوردونوش	:	کھانا اور پینا
مراسلہ	:	چٹھی، خط، نامہ
مکالمہ	:	بات چیت
دارالسرور	:	خوشی کا گھر

23.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔ یادگار غالب : مولانا الطاف حسین حالی

۲۔ مطالعۂ خطوط غالب : عبدالقوی دسنوی

۳۔ غالب کے خطوط : ڈاکٹر خلیق انجم

۴۔ ذکر غالب : مالک رام

۵۔ خطوط غالب کے ادبی مباحث : مشیر احمد

اکائی 24 غالبؔ کے منتخب خطوط کی تدریس و تفہیم

ساخت

24.1 اغراض و مقاصد

24.2 تمہید

24.3 غالبؔ کے منتخب خطوط کی تدریس و تفہیم

24.3.1 ادبی اور لسانی مباحث پر مبنی خط کی تدریس و تفہیم (مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام)

24.3.2 تہذیبی اور معاشرتی عناصر پر مبنی خط کی تدریس و تفہیم (نواب علاء الدین خاں علائی کے نام)

24.3.3 تاریخی عناصر پر مبنی خط کی تدریس و تفہیم (نواب علاء الدین خاں علائی کے نام)

24.3.4 طنزیہ و مزاحیہ عناصر پر مبنی خط کی تدریس و تفہیم (مرزا قربان علی بیگ خاں سالک کے نام)

24.3.5 غالب کے مخصوص انداز گفتگو پر مبنی خط کی تدریس و تفہیم (میر مہدی مجروح کے نام)

24.3.6 ماحصل

24.4 آپ نے کیا سیکھا؟

24.5 اپنا امتحان خود لیجیے

24.6 سوالوں کے جواب

24.7 فرہنگ

24.8 کتب برائے مطالعہ

24.1 اغراض و مقاصد

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ:

- خطوط غالبؔ کے شامل نصاب متن کی قرأت کریں گے۔
- خطوط غالبؔ کے لسانی مباحث کی تفہیم سے متعارف ہوں گے۔
- خطوط غالبؔ کے تاریخی مباحث کی تفہیم سے روشناس ہوں گے۔
- خطوط غالبؔ کے تہذیبی و معاشرتی عناصر کی تفہیم سے فیضیاب ہوں گے۔
- خطوط غالبؔ کے طنزیہ و مزاحیہ پہلوؤں سے واقف ہوں گے۔

24.2 تمہید

عزیز طلبا! پچھلی اکائی میں آپ نے غالبؔ کی خطوط نگاری کا تنقیدی مطالعہ کیا، جس میں بالتفصیل غالبؔ کے خطوط کی اہمیت، افادیت، معنویت اور مزید ان کی خطوط نگاری کے اوصاف و امتیازات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اب

آپ زیرِ نظر اکائی میں شامل نصاب مختلف النوع جہات پر مبنی خطوط کی قرأت کریں گے اور اس کی تفہیم سے واقف ہوں گے۔ یہاں آپ کے نصاب میں غالب کے پانچ خطوط کو شامل کیا گیا ہے جو مختلف قسم کے موضوع، مباحث اور عناصر پر مبنی ہیں۔ مثلاً ادبی ولسانی، تہذیبی ومعاشرتی، تاریخی، طنزیہ ومزاحیہ وغیرہ وغیرہ۔ مختلف النوع خطوط کی شمولیت کا مقصد غالب کی خطوط نگاری کے جملہ موضوع ومضامین سے واقفیت حاصل کرنا ہے، تاکہ ان کے خطوط کی جملہ نوعیت کا ادراک ہو سکے۔

24.3 غالبؔ کے منتخب خطوط کی تدریس وتفہیم

24.3.1 ادبی اور لسانی مباحث پر مبنی خط کی تدریس وتفہیم

متن کی تدریس

عزیز طلبا! آیئے اب ہم شامل نصاب غالبؔ کے پہلے خط کی قرأت کرتے ہیں:

(ا)

(مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام)

''صاحب!

دوسرا پارسل، جس کو تم نے بہ تکلف خط بنا کر بھیجا ہے، پہنچا۔ نہ اصلاح کو جگہ، نہ تحریر سطور کا پیچ وتاب سمجھ میں آتا ہے۔ تم نے الگ الگ دو ورقے پر کیوں نہ لکھا اور چھدرا چھدرا کیوں نہ لکھا؟ ایک آدھ دو ورقہ زیادہ ہو جاتا تو ہو جاتا۔ بہر حال اب مجھے چننے پڑے ہیں سوالات۔ اگر کوئی میری نظر نہ چڑھے اور رہ جائے تو سطور کی موڑ توڑ کا گناہ سمجھنا، میرا قصور نہ جاننا۔

''بلا ربائے'' اس میں تامل کیا ہے؟ لفظ صحیح اور پورا تو یہی ہے،
''ربا'' اس کا مخفف:

خارہا در راہش افشانم کہ چوں خواہد شدن

بہت خوب اور معقول۔ میں اس وقت خدا جانے کس خیال میں تھا ''چوں خواہد شدن'' و ''کنوں خواہد شدن'' ردیف وقافیہ سمجھا تھا۔

لفظ ''بے پیر'' تورانی بچہ ہائے ہندی نژاد کا تراشا ہوا ہے۔ جب میں اشعار اردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو شعر فارسی میں کیوں کر اجازت

دوں گا؟

مرزا جلال اسیرؔ علیہ الرحمۃ مختار ہیں اور ان کا کلام سند ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ ان کے باندھے ہوئے لفظ کو غلط کہوں، لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیر زادۂ ایران ایسا لفظ لکھے۔

''شست بستن'' جب ظہوریؔ کے ہاں ہے تو باندھیے۔ یہ روز مرہ ہے اور ہم روز مرہ میں ان کے پیرو ہیں۔ ''بے پیر'' ایک لفظ ٹکسال باہر ہے ورنہ صاحب زباں ہونے میں اسیر بھی ظہوری سے کم نہیں:

زاہد، ایں سخت ہر زہ کہ گفتی، چہ شدی
حق غفور ست، گنا ہے شدہ ام تا چہ شود

پہلے زاہد سے یہ سوال غلط کہ ''چہ شدی، ترا چہ شد'' سوال ہوسکتا ہے۔ پھر ''گنا ہے شدہ ام'' یہ جواب مہمل۔ ''گنا ہے کردہ ام'' جواب ہوسکتا ہے۔ یہاں تم کہو گے کہ ''ہمہ تن گناہ'' یا ''سراپا گناہ'' یا ''سراسر گناہ شدہ ام''۔ یہ جواب اس جواب سے سراسر بے ربط ہے۔ جب تک ''ہمہ تن گناہ'' نہ ہو، معنی نہیں بنتے ہرگز ہرگز۔ اصلاح دیے ہوئے شعر میں مضمون تمہارا ہی رہا اور ٹکسال کے موافق ہو گیا۔ عجب ہے تم سے کہ صرف ''شدہ ام'' اور ''تا چہ شود'' کے پیوند میں الجھ کر حقیقت معنی سے غافل رہے:

با آزار دل خود از چنین کار
آزار چہ می کنی دلم را

اہلیؔ نے زبردستی کی ہے مگر ہاں، اس نے ایک وجہ ٹھہرالی ہے، یعنی ''آزردن'' مصدر اور آزارد مضارع اور آزار امر۔ امر بہ معنی اسم جامد آتا ہے اور اسم جامد ''کردن'' کے ساتھ پیوند پاتا ہے۔ خیر، رہنے دو:

کند آں آہوے وحشی زبرم فردارم

یہ شعر موید میرے کلام کا ہے۔ برادرم و ''زردارم'' و ''سردارم'' و ''فردارم'' یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں، الف ممدودہ کہیں نہیں۔ ہاں ''بودارد'' و ''رودارد'' و ''فرودارد'' تمہارے عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ مگر یہ شعر استاد کا نہیں۔ مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے مولانا علاء الدین:

ما مقیمان کوے دلداریم

یہ ترجیح بند انہیں کا ہے۔ ان کو فقر و فنا و سیر و سلوک میں سمجھنا چاہیے، نہ انداز کلام میں:

پر مور است شمشیرے کہ بر موے میان دارد

بھائی، خدا کی قسم یہ مصرعہ تلوار کی نازکی کی سند نہیں ہوسکتا، یہ تو ایک مضمون ہے ''کمر'' مور، و ''تلوار'' پر مور۔ وجہ تشبیہ: علاقۂ پر مور، مانند علاقۂ شمشیر با میان۔ نزاکت وجہ تشبیہ کبھی نہیں۔ انصاف شرط ہے، تلوار کی خوبی ''تیزی'' ہے یا نازکی؟ یہ دھوکا نہ کھاؤ اور تلوار کو نازک نہ باندھو۔ ''خو'' میں اور ''تلوار'' میں مناسبت نہیں پائی جاتی۔ جانے دو، شعر سے ہاتھ اٹھاؤ۔

میاں، ''خمیدن'' بھی صحیح اور ''چمیدن'' بھی صحیح۔ اس میں کس کو تردد ہے؟ مگر لغت اور محاورے اور اصطلاح میں قیاس پیش نہیں کیا جاتا۔ ہندوستان کے باتونی لوگوں کو ''خم و چم'' بولتے سنا ہے۔ آج تک کسی نظم و نثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا۔ لفظ پیارا، مجھ کو پسند، مگر کیا کروں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو اس کو کیوں کر صحیح جانوں؟ ''چمید'' صیغہ ماضی کا ہے ''چمیدن'' سے اور ''چمیدن'' ایک مصدر ہے صحیح اور مسلم۔ ''چمد'' مضارع۔ ''چم'' امر۔ اس میں کیا گفتگو ہے؟ کلام ''خم چم'' میں ہے۔

سوالات ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا جواب لکھ دیا، اب اشعار کو دیکھتا ہوں۔ خدا کرے مجھ سے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور تم بھی جب ان اوراق طلسمی کو دیکھو تو کوئی اصلاح کا اشارہ تم سے باقی نہ رہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ اب پھر اس طرح کبھی نہ لکھنا، میں بہت گھبراتا ہوں۔

''خمیدست'' و ''رسیدست'' میں ''زنی دست'' یہ قافیہ درست ہے۔ مگر ''است'' کا الف سب جگہ اڑا دو اور یاد رہے کہ صرف ''سین تے'' کافی ہے الف ضرور نہیں۔
غالبؔ''

متن کی تفہیم

عزیز طلبا! غالب کے خطوط ادبی اور لسانی مباحث و نکات کے لحاظ سے نہایت اہم ہیں۔ ہم ان کی مدد سے اشعار

کی تفہیم وتشریح کرنے کے ساتھ ساتھ اصلاحی نقطۂ نظر سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ غالب نے اپنے بعض احباب اور شاگردوں کی فرمائش پر اپنے خطوط میں خود اپنے نیز فارسی کے بعض شعرا کے اشعار کی تفہیم وتوضیح کی ہے۔کہیں کسی اشکال کو رفع کیا ہے اور کہیں مخاطب کے بتائے ہوئے مفہوم کو غلط ٹھہرایا ہے۔اصلاح شعروسخن کے بعض بنیادی نکات بھی زیرِ بحث لائے گئے ہیں۔اس ضمن میں کہیں غالب نے ردیف وقافیہ سے متعلق گفتگو کی ہے،کہیں قواعدِ زبان کے بارے میں بتایا ہے اور کہیں مصرعوں کی تقدیم وتاخیر کا مسئلہ اٹھایا ہے۔لغوی مسائل ومباحث کے ذیل میں کہیں غالب نے لفظ کی صحت سے متعلق بحث کی ہے اور کہیں اس کے معنی بتائے ہیں اور بعض جگہ اختلاف رائے بھی کیا ہے۔مثلاً لفظ ''کدہ'' کے ضمن میں انھوں نے مرزا قتیل کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے''صفوت کدہ''،''شفقت کدہ''،''نشتر کدہ''وغیرہ درست ہیں جب کہ قتیل نے انھیں غلط قرار دیا ہے۔لغات کے سلسلے میں غالب نے فارسی وار دو الفاظ پر مشتمل مرکب ترکیبوں سے متعلق گفتگو کی ہے۔مثلاً''جاناں مددے''،''یاراں مددے''،''بیش از بیش وکم از کم''اور''گندم نمائے جوفروش'،'جوفروش گندم نما''وغیرہ ترکیبوں کو غالب نے جائز قرار دیا ہے اور''نظر شگفتن'،'گوش شگفتن''جیسی ترکیبوں کو غلط ٹھہرایا ہے۔ الغرض یہ کہ انھوں نے اپنے خطوط میں ادبی اور لغوی/لسانی مسائل ومباحث پر اظہار خیال کیا ہے،ان میں سے بعض کا تعلق مفردات سے ہے،بعض مرکبات سے متعلق ہیں اور بعض کا تعلق تذکیر وتانیث سے ہے۔

آپ نے مذکورہ جس خط کی قرأت کی ہے وہ خط بھی ادبی نقطۂ نظر سے اہمیت کا حامل ہے۔ یہ خط''غالب کے خطوط''،جلد اول،خط نمبر(۱) سے مشتق ہے۔جس کے ادبی اور لسانی مباحث کے اہم نکات کی تفہیم درج ذیل ہے:

مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام اس طویل خط میں بعض لسانی مباحث زیرِ بحث آئے ہیں مثلاً: ''بلا ربا ے،بے پیر،شست بستن،خم وچم،اور خمیدست،رسیدست،نزنی دست''وغیرہ۔غالب کے ان مباحث میں مفرد،مرکب اور علم قافیہ سے متعلق بعض باتیں پیش کی گئی ہیں۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ اول غالب نے یہ خط مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام لکھا ہے۔اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے غالبًا ان سے پوچھا کہ''بلا ربائے''میں''ے'' کا اضافہ درست ہے یا نہیں؟اس کا جواب دیتے ہوئے غالب لکھتے ہیں کہ صحیح اور پورا لفظ یہی ہے اور''ربا''تو اس کا مخفف ہے۔

دوم غالب نے اس خط میں لفظ''بے پیر''پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ اہل ایران کا بنایا ہوا لفظ نہیں ہے، بلکہ اسے تورانیوں نے بنایا ہے اور میرے نزدیک اس کا استعمال فارسی میں ہی نہیں بلکہ اردو میں بھی مناسب نہیں ہے۔غالب کی اس بحث سے معلوم ہوا کہ بعض الفاظ ایسے ہیں،جن کا استعمال اردو میں تو جائز ہے،لیکن فارسی میں غیر موزوں ہوتا ہے۔

سوم اس خط سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تفتؔہ نے غالب سے''شست بستن'' کی ترکیب سے متعلق پوچھا ہے کہ کیا یہ ترکیب صحیح ہے؟ غالب اس کے جواب میں ظہوری کو سند کے طور پر پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ روزمرّہ ہے

اور ہم روز مرے میں ان کے پیرو ہیں۔اس خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غالب ظہوریؔ کو مستند مانتے تھے۔

چہارم تفتہؔ نے غالب سے لفظ ''خم وچم'' کے بارے میں دریافت کیا ہے۔اس کا جواب دیتے ہوئے غالب اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں کہ یہ لفظ میں نے آج تک فارسی نظم ونثر میں نہیں دیکھا۔ہاں ''خمیدن'' اور ''چمیدن'' صحیح ہیں۔غالب کی اس گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ الفاظ کا استعمال اہل زبان کے مطابق ہونا چاہیے۔

پنجم بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معمول یا معمولہ عیب نہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی نے ''درس بلاغت'' میں لکھا ہے کہ شمس الدین فقیر صاحب حدائق البلاغت اسی خیال کے حامی ہیں۔خود غالب بھی اسے حسن تصور کرتے تھے، جیسا کہ غالب نے تفتہ کے نام اپنے اس خط میں کیا ہے۔واضح رہے کہ معمول یا معمولہ قافیہ کے عیوب میں ہے۔معمول یا معمولہ قافیے کی وہ صورت ہے جب ایک مصرع میں قافیہ مفرد ہو اور دوسرے میں مرکب ہو یعنی ردیف کا حصہ بن جائے۔

24.3.2 تہذیبی اور معاشرتی عناصر پر مبنی خط کی تدریس وتفہیم

متن کی تدریس

عزیز طلبا! آیئے اب ہم شامل نصاب غالبؔ کے دوسرے خط کی قرأت کرتے ہیں:

(۲)

(نواب علاء الدین احمد خاں علائیؔ کے نام)

''صاحب!

میری داستان سنیے۔پنسن بے کم وکاست جاری ہوا۔زرِ مجتمعۂ سہ سالہ یک مشت مل گیا۔بعد اداے حقوق چار سو روپیہ دینے باقی رہے اور ستاسی روپے گیارہ آنے مجھے بچے۔مئی کا مہینا بہ دستور ملا۔آخر جون میں حکم آ گیا کہ پنشن دار علی العموم ششماہی پایا کریں، ماہ بہ ماہ پنشن تقسیم نہ ہوا کرے۔

میں دس بارہ برس سے حکیم محمد حسن خاں کی حویلی میں رہتا ہوں۔اب وہ حویلی غلام اللہ خاں نے مول لے لی۔آخر جون میں مجھ سے کہا کہ حویلی خالی کردو۔اب مجھے فکر پڑی کہ کہیں دو حویلیاں قریب ہم دگر ایسی ملیں کہ محل سرا اور دیوان خانہ ہو، نہ ملیں۔ناچار یہ چاہا کہ بلی ماروں میں ایک مکان ایسا ملے جس میں جا رہوں، نہ ملا۔تمہاری چھوٹی پھوپھی نے بے کس نوازی کی۔کروڑا والی حویلی مجھ کو رہنے کو دی۔ہر چند وہ رعایت مرعی نہ رہی کہ محل سرا سے قریب ہو۔مگر خیر

بہت دور بھی نہیں۔کل یا پرسوں وہاں جارہوں گا۔ایک پاؤں زمین پر ہے، ایک پاؤں رکاب میں۔توشے کا وہ حال۔گوشے کی یہ صورت۔

کل شنبہ، اٹھارہ ذی الحجہ کی اور سات جولائی کی، پہر دن چڑھے تمہارا خط پہنچا۔ دو گھڑی کے بعد سنا گیا کہ امین الدین خاں صاحب نے اپنی کوٹھی میں نزول اجلال کیا۔ پہر دن رہے از راہ مہربانی ناگاہ میرے ہاں تشریف لائے۔میں نے ان کو دبلا وافسردہ پایا، دل کڑھا۔علی حسین خاں بھی آیا، اس سے بھی میں ملا۔میں نے تمہیں پوچھا کہ وہ کیوں نہیں آئے؟ بھائی صاحب بولے کہ جب میں یہاں آیا تو کوئی وہاں بھی تو رہے اور اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہیں۔میں نے کہا اتنا ہی جتنا تم اس کو چاہتے تھے۔ ہنسنے لگے۔غرض کہ میں نے بہ ظاہر ان کو تم سے اچھا پایا۔آگے تم لوگوں کے دلوں کا مالک اللہ ہے۔

نگاشتہ و رواں داشتہ یک شنبہ بین الظہر وعصر

۸ جولائی ۱۸۶۰ء راقم غالبؔ

۱۹ ذی الحجہ ۱۲۷۶ء"

متن کی تفہیم

عزیز طلبا! غالبؔ کے خطوط تہذیبی و معاشرتی اعتبار سے بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ان کے خطوط میں جا بجا معاشرتی رنگ بکھرا ہوا ہے۔ان کے خطوط کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم عہد غالبؔ میں زندگی گزار رہے ہیں۔مثلاً اس زمانے میں امراوشرفا کی معاشرت کیسی تھی، حفظ مراتب کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔اس زمانے میں انعام واکرام وخلعت وخطابات دینے کا بھی رواج تھا، اس کی نوعیت کیسی تھی اس کا ذکر بھی غالبؔ کے خطوط میں دیکھنے کو ملتا ہے۔عہد غالبؔ میں غربا ومساکین کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔اہل دولت وثروت ان کے لیے وجہ معاش مقرر کر دیتے تھے اور ان سے دعائے خیر کے طالب رہتے تھے۔عہد غالبؔ میں مکان کی نوعیت کیا تھی؟ لوگوں کا رہن سہن کس طرح کا تھا۔اس طرح کی تمام تفصیلات غالبؔ کے خطوط میں ملتی ہیں۔ بازاری پیشہ وروں میں کیسے کیسے پیشہ ور بازاروں میں ملتے تھے اور ان کے کام کس طرح کے ہوتے تھے۔ آمد ورفت کے ذرائع کیا تھے۔ڈاک کا نظام کیسا تھا۔نشہ آور اشیا کا استعمال بھی اس زمانے میں خوب ہوتا تھا اور لوگ افیون کا استعمال کثرت سے کرتے تھے۔علاج ومعالجے کے طور طریقے کیا تھے؟ غالبؔ کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ یونانی دواؤں پر لوگوں کا یقین زیادہ تھا۔الغرض یہ کہ پورا عہد غالب ان کے خطوط میں چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔شامل نصاب نواب علاء الدین خاں علائیؔ کو لکھا گیا خط بھی عہد غالبؔ کی تہذیب ومعاشرت کا ترجمان ہے۔یہ خط "غالبؔ کے خطوط" جلد اول، خط نمبر (۵) سے اخذ کیا گیا ہے، جس کی تفہیم درج ذیل ہے:

علائی کے نام غالبؔ کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد غالبؔ میں مکان عام طور پر دوحصوں میں منقسم ہوتا تھا: پہلا حصہ دیوان خانہ جس میں مرد حضرات رہتے تھے اور دوسرا حصہ محل سرا، جو عورتوں کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ امرو شرفا کے یہاں کے مکانات بڑی بڑی حویلیوں کی شکل میں ہوتے تھے،نوکرانیوں اور خادماؤں کی ضرورت تو ناگزیر تھی، اس لیے ان کے رہنے کے لیے مکان میں علیحدہ انتظام ہوتا اوران کی گزرگاہ بھی علاحدہ ہوتی۔اس کے علاوہ مکان میں ایک حصہ بالا خانے کے نام سے بھی ہوتا تھا۔جس میں ایک دالان ہوتا تھا۔عام طور پر غالبؔ بالا خانے کے دالان میں ہی قیام کرتے تھےاورایک توشہ خانہ جس میں خانہ داری کا سامان اورلباس وغیرہ رہتا تھا۔

چوں کہ غالبؔ ہمیشہ کرایے کے مکان میں رہتے تھے،ان کا ذاتی کوئی مکان نہیں تھااس لیے کرایہ کے مکان میں بھی لوگ ان تمام باتوں کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔کرایہ کا مکان مشکل سے ملتا تھا،اگرملتا بھی تو پسند کے مطابق نہیں ہوتا تھا۔کبھی محل سراہےتو دیوان خانہ نہیں یا دیوان خانہ ہےتو توشہ خانہ نہیں۔دوسرے یہ کہ مکان مالک اور کرایہ دار کے مابین آج کی طرح اس وقت بھی جھگڑے ہوا کرتے تھے،کبھی تو مکان کی مرمت کے مسئلے پراور کبھی مکان کو خالی کرانے کے سلسلے میں۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کرایہ دار کو بغیر اطلاع دیے ہوئے مکان مالک مکان بیچ دیتا۔اس کا خریدار آ کر کرایہ دار کو برا بھلا کہتا۔یہ تمام تفصیلات خطوط غالب میں موجود ہیں۔محل سرااور دیوان خانہ کا ذکر غالبؔ کے مذکورہ بالا خط سے ہوتا ہے۔

مکان کے حوالے سے دیگر تفصیلات بھی غالبؔ کے خطوط میں ملتی ہیں۔عہد غالبؔ کی پیشہ ور خادماؤں سے بھی اس دور کی معاشرت کی تصویر سامنے آتی ہے۔غالبؔ نے ان تمام نوکرانیوں کا ذکر اپنی اس حویلی کے لیے کیا ہے جوعلائی کے توسط سے غالبؔ کو ملی تھی۔علائی کو لکھتے ہیں:’’یہ سمجھ کر خلوت خانے کو محل سرا بنانا چاہتا تھا کہ گاڑی، ڈولی،لونڈی،اصیل،کاچھن،تیلن،تنبولن،کہاری،پنسہاری ان فرقوں کا ممر وہ دروازہ رہے گا۔‘‘

24.3.3 تاریخی عناصر پرمبنی خط کی تدریس وتفہیم

متن تدریس

عزیز طلبا! آیئے اب ہم شامل نصاب غالبؔ کے تیسرے خط کی قرأت کرتے ہیں:

(۳)

(نواب علاءالدین خاں علائی کے نام)

’’صاحب!

کل تمہارے خط کا جواب بھیج چکا ہوں، پہنچا ہوگا۔آج صبح کو بھائی صاحب کے پاس گیا۔ بھائی ضیاء الدین خاں اورمیاں شہاب الدین خاں بھی وہیں

تھے۔مولوی صدرالدین میرے سامنے آئے۔حکیم محمود خاں کے طور پر معالجہ قرار پایا۔یعنی انھوں نے نسخہ لکھ دیا،سواس کے موافق حبوب بن گئی ہیں۔نقوع کی دوائیں آج آ کر بھیگیں گی۔کل حبوب کے اوپر دہ نقوع پیا جائے گا مگر انداز و ادا سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حضرت مریض کی اور ان کے ہوا خواہوں کی رائے میں قصد اس استعلاج کا مذبذب ہے۔نسخے کی حقیقت کو میزان نظر میں تول رہے ہیں۔استاد میر جان بھی تھے،نیم نا معقول مرزا اسد بیگ بھی تھے۔سب طرح خیریت ہے۔

کل تمہارے خط میں دوبار یہ کلمہ مرقوم دیکھا کہ دلی بڑا شہر ہے، ہر قسم کے آدمی وہاں بہت ہوں گے۔اے میری جان! یہ وہ دلی نہیں ہے، جس میں تم پیدا ہوئے ہو، وہ دلی نہیں ہے جس میں تم نے علم تحصیل کیا ہے، وہ دلی نہیں ہے جس میں تم شعبان بیگ کی حویلی میں مجھ سے پڑھنے آتے تھے۔وہ دلی نہیں ہے جس میں سات برس کی عمر سے آتا جاتا ہوں، وہ دلّی نہیں ہے جس میں اکیاون برس سے مقیم ہوں۔ایک کنپ ہے۔مسلمان اہل حرفہ یا حکام کے شاگرد پیشہ، باقی سراسر ہنود۔معزول بادشاہ کے ذکور جو بقیہ السیف ہیں، وہ پانچ پانچ روپیہ مہینہ پاتے ہیں۔اناث میں سے جو پیرزن ہیں وہ کٹنیاں اور جوانیں کسبیاں۔امرائے اسلام میں سے اموات گنو۔حسن علی خاں بہت بڑے، باپ کا بیٹا سو روپے روز کا پنسن دار، سو روپے مہینے کا روزینہ دار بن کر نامرادانہ مرگیا۔میر ناصرالدین باپ کی طرف سے پیرزادہ، نانا اور نانی کی طرف سے امیرزادہ، مظلوم مارا گیا۔آغا سلطان، بخشی محمد علی خاں کا بیٹا، جو خود بھی بخشی ہو چکا تھا۔بیمار پڑا، نہ دوا نہ غذا، انجام کار مرگیا۔تمہارے چچا کی سرکار سے تجہیز و تکفین ہوئی۔احیا کو پوچھو، ناظر حسین مرزا، جس کا بڑا بھائی مقتولوں میں آیا، اس کے پاس ایک پیسہ نہیں، ٹکے کی آمد نہیں، مکان اگرچہ رہنے کو مل گیا ہے، مگر دیکھیے، چھٹا رہے یا ضبط ہو جائے۔بڈھے صاحب ساری املاک بیچ کر، نوش جان کر کے، بہ یک بنی و دو گوش بھرت پور چلے گئے۔ضیاء الدولہ کی پانسو روپے کی املاک واگذاشت ہو کر پھر قرق ہوگئی، تباہ، خراب لاہور گیا، وہاں پڑا ہوا ہے۔دیکھیے کیا ہوتا ہے۔قصہ کوتاہ، قلعہ اور جھجر اور بہادر گڑھ اور بلب گڑھ اور فرخ نگر، کم و بیش تیس لاکھ روپے کی ریاستیں مٹ

گئیں۔ شہر کی عمارتیں خاک میں مل گئیں۔ ہنر مند آدمی یہاں کیوں پایا جائے۔ جو حکما کا حال کل لکھا ہے وہ بیان واقع ہے۔ صلحا اور زہاد کے باب میں جو حرف مختصر میں نے لکھا ہے، اس کو بھی سچ جانو۔

اپنے والد ماجد کی طرف سے خاطر جمع رکھو۔ سحر آسیب کا گمان ہرگز نہ کرو، خدا چاہے تو استعمال ایارجات کے بعد بالکل اچھے ہو جائیں گے۔ اور اب بھی خدا کے فضل سے اچھے ہیں۔

ہنگام نیم روز یکشنبہ ۱۶ فروری ۱۸۶۲ء عافیت کا طالب غالبؔ''

متن کی تفہیم

عزیز طلبا! تاریخی نقطۂ نظر سے بھی غالبؔ کے خطوط کی بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ ہم ان خطوط کی مدد سے اس دور کی پوری تاریخ مرتب کر سکتے ہیں۔ مثلاً دلی کا جغرافیہ اور اس کی پوری تاریخ، بلی ماراں، جامع مسجد وغیرہ نقشہ اگر دیکھنا ہو کہ غالبؔ کے زمانے میں ان علاقوں کے صورت حال کیا تھی تو غالبؔ کے خطوط کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح غالب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے چشم دید گواہ تھے۔ اس ضمن میں انھوں نے فارسی میں ایک ''دستنبو'' نام کا کتابچہ لکھا تھا۔ اس میں روزانہ کے حالات تاریخ وار مرتب کرتے تھے، اگر ہمیں ۱۸۵۷ء سے پہلے اور بعد کی دلی دیکھنی ہو تو غالبؔ کے خطوط میں ملے گی۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی مکمل صورت حال ہمیں غالبؔ کے خطوط میں ملے گی۔ شامل نصاب خط نمبر ۱۷، مشمولہ ''غالبؔ کے خطوط'' مرتبہ خلیق انجم، مکتوب الیہ نواب علاء الدین خاں علائیؔ کو لکھا گیا خط تاریخی نقطۂ نظر سے بہت وقیع ہے۔ کیوں کہ بقول خلیق انجم ''فروری ۱۸۶۲ء کی اجڑی ہوئی دلی، خاندان تیموریہ کی معاشی بدحالی، برطانوی سامراج کے ظلم وستم کی داستان کو اس سے زیادہ مختصر، دردانگیز اور موثر انداز میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ غالب نے پورے خط میں ہندوستانیوں سے اپنی ہمدردی اور برطانوی سامراج کے خلاف براہِ راست ایک لفظ بھی نہیں کہا، لیکن واقعات کے بیان کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے کہ غالب کے ذہنی اور روحانی کرب کو مکمل طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے، یہی وہ خصوصیات ہیں جنھوں نے غالب کے اسلوب کو انفرادیت بخشی ہے۔'' (ص:۱۶۶)

مذکورہ بالا خط کی ابتدائی اور انتہائی سطور کے علاوہ باقی سطروں میں غالبؔ نے جس انداز سے اجڑی ہوئی دلی کا نقشہ پیش کیا ہے اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی جو داستان سنائی ہے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد دلّی کس قدر بدل گئی تھی۔ کچھ تو اس فساد کی نذر ہو گئے اور بعض دلّی چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ کیسی کیسی ریاستیں جو خوش حال تھیں، وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔ جو اہل علم و ہنر تھے انھوں نے بھی یہاں سے جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ اس طرح کے واقعات غالبؔ کے خطوط میں جا بجا بکھرے پڑے ہیں، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ

عہد غالبؔ کی دلّی، ۱۸۵۷ء کے بعد کی دلّی اور اصل دلّی اگر دیکھنا اور سمجھنا ہو تو غالبؔ کے خطوط سے بہت معاون ثابت ہوں گے۔ ہم ان کے خطوط کی مدد سے دلی کی پوری تاریخ سمجھ سکتے ہیں۔ غالبؔ کے بہت سے خطوط ایسے ہیں جس میں انھوں نے افسردگی کے ساتھ دلّی کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ بحیثیت مجموعی مذکورہ خط کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ غالبؔ کے خطوط کی تاریخی حیثیت اور اہمیت مسلم الثبوت ہے۔

24.3.4 طنزیہ و مزاحیہ عناصر پر مبنی خط کی تدریس و تفہیم

متن کی تدریس

عزیز طلبا! آیئے اب ہم شامل نصاب غالبؔ کے چوتھے خط کی قرأت کرتے ہیں:

(۴)

(مرزا قربان علی بیگ خاں سالک کے نام)

’’میری جان کن اوہام میں گرفتار ہے؟ جہاں باپ کو پیٹ چکا، اب چچا کو بھی رو۔ تجھ کو خدا جیتا رکھے اور تیرے خیالات و احتمالات کو صورت وقوعی دے۔

یہاں خدا سے بھی توقع باقی نہیں، مخلوق کا کیا ذکر؟ کچھ بن نہیں آتی۔ اپنا آپ تماشائی بن گیا ہوں۔ رنج و ذلت سے خوش ہوتا ہوں۔ یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے۔ جو دکھ مجھے پہنچا ہے کہتا ہوں کہ لو، غالبؔ کے ایک اور جوتی لگی۔ بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں، آج دور دور تک میرا جواب نہیں۔ لے، اب تو قرض داروں کو جواب دے۔ سچ تو یوں ہے کہ غالبؔ کیا مرا۔ بڑا ملحد مرا، بڑا کافر مرا۔ ہم نے ازراہِ تعظیم جیسا بادشاہ ہوں کو بعد ان کے ’’جنت آرام گاہ‘‘ و ’’عرش نشیمن‘‘ خطاب دیتے ہیں، چوں کہ یہ اپنے کو شاہ قلمرو سخن جانتا تھا، سقر مقر اور ہادیہ زاویہ، خطاب تجویز کر رکھا ہے۔ آیئے! نجم الدولہ بہادر ایک قرض دار کا گریبان میں ہاتھ، ایک قرض دار بھوگ سنا رہا ہے۔ میں ان سے پوچھ رہا ہوں۔ اجی حضرت نواب صاحب! نواب صاحب کیسے، اوغلان صاحب! آپ سلجوقی اور افراسیابی ہیں۔ یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے۔ کچھ تو اُکسو، کچھ تو بولو۔ بولے کیا، بے حیا، بے غیرت، کوٹھی سے شراب، گندھی سے گلاب، بزاز سے کپڑا، میوہ فروش سے آم، صراف سے دام، قرض لیے جاتا ہے۔ یہ بھی تو سوچا ہوتا کہاں سے دوں گا؟‘‘

عزیز طلبا! شامل نصاب مرزا قربان علی بیگ خاں سالک کے نام لکھا گیا خط غالبؔ کے طنزیہ اور مزاحیہ طرز گفتگو کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ خط ''غالبؔ کے خطوط'' جلد دوم، خط نمبر (۲) سے اخذ کیا گیا ہے، جس کی تفہیم درج ذیل ہے:

غالبؔ فطرتاً ظریف انسان تھے، ان کے مزاج میں ظرافت اور شوخی کا عنصر بہت غالبؔ تھا۔ اپنی ذاتی زندگی میں، دوستوں کی محفلوں میں وہ اپنی باتوں سے لوگوں کو ہنساتے رہتے تھے۔ یہی ظرافت اور شوخی ان کے خطوط میں بھی بکثرت ملتی ہے۔ معمولی سے معمولی بات میں بھی وہ ہنسنے ہنسانے کا بہانہ ڈھونڈ لیتے تھے۔ طنز و مزاح ان کی شاعری میں بھی ہے اور خطوط میں بھی۔

ہمیں معلوم ہے کہ غالبؔ کی آمدنی کا مستقل کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ خاندانی پنشن تھی اور قلعہ معلیٰ اور دربار رام پور سے وظیفہ ملتا تھا۔ اسی سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی، اخراجات مزید بڑھ جاتے، تو قرض لے کر اسے پورا کر لیا کرتے تھے، لیکن ہمیشہ شاہانہ زندگی گزاری۔ غالبؔ کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نہ تو زندگی کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں اور نہ ہی سماج کو اور نہ ہی دوسری باتوں کو، بلکہ بیشتر وہ خود ہی اپنی ہی ذات کو طنز کا موضوع بناتے ہیں۔ غالبؔ کے خطوط میں اس طرح کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں، جس میں انھوں نے خود پر طنز کیا ہے۔ جیسا کہ اس خط سے معلوم ہوا کہ یہاں غالبؔ نے اپنے اوپر طنز کیا ہے اور اس سے بہتر طنز خود غالبؔ کے یہاں بھی مشکل سے ملے گا۔ وہ طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتے ہیں جن کا سلسلہ کہیں ختم نہیں ہوتا۔ اس لیے عاجز آ کر کہتے ہیں کہ اب خدا سے بھی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی ہے، قرض خواہ الگ پریشان کیے ہوئے ہیں۔ اس طرح اپنی غربت اور تنگ دستی پر بھی طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''لے ایک اور جوتی لگی۔''

اس خط میں غالبؔ نے بظاہر زندگی سے مایوسی، معاشی بدحالی اور اپنی غربت وغیرہ کا مذاق اڑایا ہے، مگر ان کے ذہنی کرب کو یہاں بہ آسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح علاء الدین خاں علائی کو بھی لکھا تھا: ''وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بہ در بھیک مانگے وہ میں ہوں۔'' اس عبارت میں بھی طنز کی تشریت موجود ہے۔ غالبؔ حساس اتنے ہیں کہ کسی کو بھیک مانگتے نہیں دیکھ سکتے مگر دوسری طرف اپنی غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی کسی کے یہاں، کبھی کسی کے وہاں قرض لینے پہنچ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے شامل نصاب خط کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''اس خط میں غالبؔ کی انا کے شیش محل کے چکنا چور ہونے کی جھنکار صاف سنائی دے رہی ہے۔ بہ ظاہر غالبؔ نے اپنی کمزوریوں، معاشی بدحالیوں اور محرومیوں کا مضحکہ اڑایا ہے، لیکن اس بذلہ سنجی اور شوخیِ بیان کی تہ میں نا قابل بیان ذہنی کرب اور محرومی کا شدید احساس ہے۔ یہ صرف غالبؔ کی داستان نہیں بلکہ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کے بعد کے اس پورے طبقے کی داستان ہے، جو کبھی مسند اعتبار پر جلوہ افروز تھا، جسے سلجوقی اور

افراسیابی ہونے پر ناز تھا، جسے اپنی ذہنی صلاحیتوں پر گھمنڈ تھا اور جو اب قرض پر زندگی بسر کر رہا تھا۔''

کامیاب ترین طنز وہی ہے جس کا شکار طنز نگار کی اپنی ذات ہو۔ کوئی دوسرا شخص ایسی بے رحمی سے غالب کا مذاق نہیں اڑا سکتا تھا۔ جیسا کہ خود اس خط میں انھوں نے اپنا مذاق اڑایا ہے۔

24.3.5 غالبؔ کے مخصوص انداز گفتگو پر مبنی خط کی تدریس و تفہیم

متن کی تدریس

عزیز طلبا! آیئے اب ہم شامل نصاب غالبؔ کے پانچویں خط کی قرأت کرتے ہیں:

(۵)

(میر مہدی مجروح کے نام)

''اہاہاہا! میرا پیارا میر مہدی آیا- آؤ بھائی، مزاج تو اچھا ہے؟ بیٹھو، یہ رام پور ہے۔ دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے؟ پانی سبحان اللہ! شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور کوسی اس کا نام ہے۔ بے شبہ چشمہ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے، خیر، اگر یوں بھی ہے تو بھائی، آب حیات عمر بڑھاتا ہے، لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔

تمہارا خط پہنچا۔ تردّد عبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک منشی میرا دوست ہے۔ نہ عرف لکھنے کی حاجت، نہ محلے کی حاجت بے وسواس خط بھیج دیا کیجیے۔ اور جواب لیا کیجیے۔ یہاں کا حال سب طرح خوب ہے اور صحبت مرغوب ہے۔ اس وقت مہمان ہوں۔ دیکھوں، کیا ہوتا ہے تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہے۔ لڑکے دونوں میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

فروری ۱۹۶۰ء''

متن کی تفہیم

عزیز طلبا! شامل نصاب میر مہدی مجروح کے نام لکھا گیا یہ خط غالبؔ کے مخصوص مکالماتی انداز اور منفرد طرز کا ترجمان ہے۔ یہ خط ''غالبؔ کے خطوط'' جلد دوم، خط نمبر (۲۴) سے مستعار ہے، جس کی تفہیم درج ذیل ہے:

اس خط کے دو حصّے ہیں۔ اول حصے میں غالبؔ نے خط میں بات چیت کا انداز اپنایا ہے جو ان کی انفرادیت اور شناخت ہے۔ غالبؔ کے خطوط میں اس طرح کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ ان کے خطوط میں مکالمہ نویسی اور بات چیت کا انداز ان کی شخصیت میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہے، غالبؔ خود ہی اس کے موجد ہیں اور خود ہی خاتم ہیں۔ مکالماتی طرز کی بے شمار مثالیں غالبؔ کے دیگر خطوط میں بھی ملتی ہیں، مثلاً: ایک خط میں صرف تین مکالمے ہیں، باقی بات کہی گئی ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ محمد علی بیگ آئے تو میں نے ان سے لوہارو کی سواریوں کے بارے میں پوچھا:

''بھئی محمد علی بیگ، لوہارو کی سواریاں روانہ ہوگئیں؟

حضرت ابھی نہیں

کیا آج نہ جائیں گے؟

آج ضرور جائیں گے تیاری ہو رہی ہے''

دوسری مثال دیکھیے:

''اے جناب میرن صاحب! السلام علیکم

حضرت! آداب

کہو صاحب آج اجازت ہے، میر مہدی کے خط کا جواب لکھنے کی حضور میں کیا منع کیا کرتا ہوں؟ میں نے تو یہ عرض کیا تھا کہ اب وہ تندرست ہو گئے ہیں۔ بخار جاتا رہا ہے.......

نہیں میرن صاحب اس کے خط کے آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں وہ خفا ہوا ہوگا جواب لکھنا ضرور ہے حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں آپ سے کیا خفا ہوں گے

بھائی آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو؟

سبحان اللہ سبحان اللہ اے لو حضرت! آپ تو خط نہیں لکھتے اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے۔''

عزیز طلبا آپ نے دیکھا کہ مرزا غالبؔ نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالبؔ کسی کو خط نہیں لکھ رہے ہیں، بلکہ کسی سے مخاطب ہو کر آپسی گفتگو کر رہے ہوں۔ غالبؔ کا یہ طرز خطوط اس زمانے میں اس قدر مشہور و معروف ہوا کہ غالبؔ کے مصاحبین کو غالبؔ کے خطوط کو چھپانے کا خیال پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ان خطوط کی خوب پزیرائی ہوئی۔ غالبؔ جدت پسند تھے، پرانی روش پر چلنا ان کو گوارا نہیں تھا۔ انھوں نے جس طرح

شاعری میں اپنی راہ الگ نکالی اسی طرح نثر میں بھی ایک نئے اسلوب کی طرح ڈالی اور اردو مکتوب نگاری کے فن کو نیا رنگ و آہنگ دیا۔

بہر کیف خط کے دوسرے حصّے میں غالبؔ نے اپنے مختصر کوائف اور اپنی مقبولیت کا ذکر کیا ہے۔ غالبؔ اپنے احباب اور شاگردوں کو اکثر اس بات کی تلقین کیا کرتے تھے کہ میرا پتہ مکمل لکھنا ضروری نہیں ہے صرف غالبؔ اور دلی لکھ دیا کرو کافی ہے۔ خط با آسانی میرے پاس پہنچ جائے گا۔ دلچسپ بات یہ ہے ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب کا غالبؔ کی زندگی پر گہرا اثر پڑا اور اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے۔ اس ہنگامے میں ان کے بے شمار دوست، احباب، عزیز، شاگرد اور بعض دوسرے ملنے جلنے والے مارے گئے۔ خطوط میں تنہائی کا ذکر کرتے ہوئے مکالماتی انداز پیدا کیا ہے اور خلوت میں جلوت جیسی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس تنہائی میں صرف خطوط ہی ان کی زندگی کا سہارا تھے۔

24.3.6 ماحصل

اس اکائی میں ہم نے مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کے منتخبہ اردو خطوط کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ انھوں نے خطوط نویسی کو ایک مستقل صنف کا اعتبار اور وقار بخشا۔ غالبؔ سے پہلے بھی اردو میں خطوط کے نمونے ملتے ہیں مگر غالبؔ جیسی خصوصیات اور انفرادیت ان میں نہیں ملتی۔ بلا شبہ غالبؔ کے خطوط اردو نثر کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ عام طور پر خطوط خیر و عافیت دریافت کرنے یا اپنی خیریت سے مکتوب الیہ کو باخبر کرنے کے لیے لکھے جاتے ہیں، لیکن غالبؔ نے اس میں جدّت پیدا کی، ان کے خطوط میں ادبی، علمی، لغوی، اور لسانی مباحث کی کثرت ہے۔ انھوں نے اپنے معاصرین کا بھی ذکر بھی بہت اہتمام سے کیا ہے۔ شعرا کے کلام پر رائے اور مشکل اشعار کی تشریح ان کے خطوط میں بکثرت موجود ہے۔ اس کے علاوہ املا کے مسائل، علم عروض۔ علم بلاغت، علم قافیہ، تذکیر و تانیث وغیرہ مباحث بھی ان کے خطوط میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خطوط میں شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں بھی دی ہیں اور بعض فارسی شعرا کے اشعار کے مطالب و معانی بھی بیان کیے ہیں۔ غالبؔ نے فارسی میں بھی خطوط لکھے مگر ان میں وہ دلکشی اور شگفتگی نہیں جو ان کے اردو خطوط کا امتیاز ہے۔ ان کی زبان صاف سادہ اور تصنّع سے پاک ہے۔ بالکل بول چال کی زبان میں خط لکھتے ہیں اور یہی ان کی مکتوب نگاری کی خصوصیت ہے۔ ان کا یہ دعویٰ کہ انھوں نے تحریر کو گفتگو کا رنگ دیا اور خط کو ملاقات کا بدل بنا دیا بڑی حد تک درست ہے۔

24.4 آپ نے کیا سیکھا؟

عزیز طلبا! اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے:

- غالبؔ کے خط کے لسانی اور ادبی مباحث سے آگہی حاصل کی۔
- غالبؔ کے خط کے تہذیبی و معاشرتی پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کی۔

- خطوط غالبؔ کے تاریخی پہلوؤں کا ادراک کیا۔
- غالبؔ کے خطوط کے مختلف رنگ وروپ سے واقفیت حاصل کی۔
- شامل نصاب خطوط کے متن کی قرأت کی اور اس کی توضیحات سے استفادہ کیا۔

24.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ مرزا ہرگوپال تفتہ کو لکھا گیا خط کس نوعیت کا ہے؟ بیان کیجیے۔

۲۔ نصاب میں شامل دوسرے خط کا مکتوب الیہ کون ہے اور اس کے موضوعات کیا ہیں؟ واضح کیجیے۔

۳۔ تاریخی عناصر پر مبنی خط میں غالبؔ نے کس طرح کے احوال بیان کیے ہیں؟ نشان دہی کیجیے۔

۴۔ غالبؔ کے خطوط کی کسی ایک خصوصیت کو بیان کیجیے۔

۵۔ ''غالبؔ نے مراسلے کو مکالمہ بنادیا'' اس قول تائید میں ایک مثال پیش کیجیے۔

24.6 سوالوں کے جواب

۱۔ مرزا ہرگوپال تفتہ کو لکھا گیا خط ادبی اور لسانی مباحث ونکات کی توضیح پر مبنی ہے۔ ہم اس خط کی مدد سے غالبؔ کے اصلاحی نقطۂ نظر کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس میں بعض ادبی اور لسانی اشکال کو رفع کیا گیا ہے۔ اصلاح شعروسخن کے بعض بنیادی نکات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس ضمن میں کہیں غالبؔ نے ردیف وقافیہ سے متعلق گفتگو کی ہے، کہیں قواعدِ زبان کے بارے میں بتایا ہے۔ لغوی مسائل ومباحث کے ذیل میں کہیں غالبؔ نے لفظ کی صحت سے متعلق بحث کی ہے اور کہیں اس کے معنی بتائے ہیں اور بعض جگہ اختلاف رائے بھی کیا ہے۔ الغرض یہ کہ انھوں نے اپنے اس خط میں ادبی اور لغوی/لسانی مسائل ومباحث پر اظہار خیال کیا ہے۔

۲۔ ہمارے نصاب میں شامل تہذیبی ومعاشرتی پہلو کو محیط خط کا مکتوب الیہ غالبؔ کے خاص دوست نواب علاء الدین احمد خاں علائی ہیں۔ اس خط کے موضوعات یہ ہیں کہ غالبؔ نے اولاً اپنی پنشن کی روداد اور حکم نامے کو مختصراً بیان کیا ہے۔ دوم انھوں نے حکیم محمد حسن خاں کی حویلی جس میں غالب کرائے پر رہتے تھے، اسے خالی کرنے تفصیل کو بیان کیا ہے۔ سوم انھوں نے امین الدین خاں کی آمد کا تذکرہ کیا ہے۔

۳۔ تاریخی عناصر پر مبنی غالبؔ کے خط میں، ۱۸۵۷ کے غدر میں برباد اور لٹنے والی دہلی کا، آنکھوں دیکھا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس خط کے مکتوب الیہ نواب علاء الدین خاں علائی سے دہلی کے وہ حالات بیان کیے ہیں جس میں انگریزوں کے ظلم وستم کی داستان ہے، اس داستان کو غالبؔ نے بڑے درد ناک انداز میں مگر انشا کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔

۴۔ غالبؔ کے خطوط کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ غالبؔ فطرتاً ظریف انسان تھے، ان کے مزاج میں

ظرافت اور شوخی کا عنصر بہت غالبؔ تھا۔ اپنی ذاتی زندگی میں، دوستوں کی محفلوں میں وہ اپنی باتوں سے لوگوں کو ہنساتے رہتے تھے۔ یہی ظرافت اور شوخی ان کے خطوط میں بھی کثرت سے ملتی ہے۔ معمولی سے معمولی بات میں بھی وہ ہنسنے ہنسانے کا بہانہ ڈھونڈ لیتے تھے۔ الغرض یہ کہ طنز و مزاح ان کے خطوط کا مرکزی وصف ہے۔

۵۔ مراسلہ کو مکالمہ بنانے کی مثال درج ذیل ہے:

''اہاہاہا! میرا پیارا میر مہدی آیا- آؤ بھائی، مزاج تو اچھا ہے؟ بیٹھو، یہ رام پور ہے۔ دارالسرور ہے۔ جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے؟''

24.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معنی)
لسانی	:	زبان سے متعلق
مباحث	:	مبحث کی جمع، بحث کے مقامات
نامہ نگاری	:	خط لکھنا
فرسودہ	:	پرانا، گھسا پٹا
مقفیٰ عبارت	:	قافیہ والی عبارت، جملے
لغت نویسی	:	ڈکشنری لکھنے والا، لغت لکھنے والا
لطف	:	مزہ، حظ
مفرد	:	اکیلا، واحد، غیر مرکب
مرکب	:	ترکیب دیا ہوا، کئی چیزوں سے مل کر بنا ہوا
اصیل	:	خادمہ
کاچھن	:	کنجڑا، مالن
تنبولن	:	پنواڑی، پان بیچنے والی عورت
تنگنا	:	تنگ کوچہ، گھر
مدد لگانا	:	معماروں، مزدوروں کو کام پر لگانا
اہل حرفہ	:	پیشہ رو، کاری گر
توقع	:	امید
فرزند	:	بیٹا، لڑکا

24.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔	یادگارِ غالب	:	مولانا الطاف حسین حالی
۲۔	غالب کے خطوط (مکمل)	:	ڈاکٹر خلیق انجم
۳۔	مکاتیب غالب	:	مولانا امتیاز علی خاں عرشی
۴۔	غالب	:	مولانا غلام رسول مہر
۵۔	غالب نامہ	:	شیخ محمد اکرام
۶۔	خطوط غالب کے ادبی مباحث	:	مشیر احمد

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY

اکائی 25 غالبؔ کی اردو اور فارسی نثری تصانیف کا تعارف

ساخت

25.1 اغراض ومقاصد

25.2 تمہید

25.3 غالبؔ کی اردو اور فارسی نثری تصانیف کا تعارف

25.3.1 اردو تصانیف

25.3.2 فارسی تصانیف

25.3.3 ماحصل

25.4 آپ نے کیا سیکھا؟

25.5 اپنا امتحان خود لیجیے

25.6 سوالوں کے جوابات

25.7 فرہنگ

25.8 کتب برائے مطالعہ

25.1 اغراض ومقاصد

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ:

- غالبؔ کے اردو خطوط کے پہلے مجموعے عود ہندی سے متعارف ہوں گے۔
- غالبؔ کے اردو خطوط کے دوسرے مجموعے اردوئے معلّٰی سے واقف ہوں گے۔
- غالبؔ کی فارسی نثری تصانیف سے روشناس ہوں گے۔
- پنج آہنگ، مہر نیم روز، دستنبو اور قاطع برہان کی معلومات سے فیضیاب ہوں گے۔
- غالبؔ کی نثری تصانیف کے موضوعات اور طرز نگارش سے مستفید ہوں گے۔

25.2 تمہید

عزیز طلبا! گذشتہ اکائی میں آپ نے شامل نصاب غالب کے پانچ خطوط کا مع توضیحات مفصل مطالعہ کیا۔ ان خطوط کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہوا کہ غالب اردو کے ایک بہترین صاحب طرز نثر نگار تھے۔ اب آپ زیر

مطالعہ اکائی میں تفصیل کے ساتھ یہ جانیں گے کہ غالب اردو کے ساتھ فارسی نثر نگاری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ انھوں نے شاعری کے علاوہ اردو اور فارسی زبان میں بہت سی نثری نگارشات بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ لہٰذا اس اکائی میں آپ غالب کی اردو اور فارسی زبان میں لکھیں گئی چھوٹی اور بڑی تمام تصانیف سے متعارف ہوں گے۔

25.3 غالبؔ کی اردو اور فارسی نثری تصانیف کا تعارف

25.3.1 اردو تصانیف

عود ہندی:

عود ہندی غالب کے اردو خطوط کا پہلا مجموعہ ہے جو اکتوبر ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ چودھری عبدالغفور سرور منشی ممتاز علی خان اور غلام غوث بے خبر کی کوششوں سے منظر عام پر آیا۔ ابتدا میں چودھری عبدالغفور سرور نے منشی ممتاز علی خاں کی تحریک پر غالب کے ان خطوط کو مرتب کیا جو غالب نے ان کے نام لکھے تھے۔ سرور نے ۱۸۶۱ء تک ان خطوط کو ''مہر غالب'' کے نام سے مرتب کیا اور اس پر ایک دیباچہ لکھ کر منشی ممتاز علی خان کے حوالے کر دیا۔ دوسری جانب غلام غوث بے خبر نے غالب کی اجازت سے ۱۸۶۵ء تک غالب کے خطوط کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا اور اس مجموعے کو منشی ممتاز علی خاں کے سپرد کر دیا۔ بعد میں منشی ممتاز علی نے عبدالغفور سرور اور غلام غوث بے خبر کے مرتب کردہ مجموعوں کو ملا کر اپنے دیباچے کے ساتھ ''عودِ ہندی'' کے نام سے شائع کیا۔ منشی ممتاز علی خان ''عود ہندی'' کے دیباچے میں رقم طراز ہیں:

> ''میرے عنایت فرما اور مرزا صاحب کے شاگرد یکتا چودھری عبدالغفور صاحب سرور تخلص سے یہ ذکر آیا تو انہوں نے جتنے خطوط مرزا صاحب کے ان کے نام آئے تھے سب کو یکجا کر کے اور اس پر ایک دیباچہ لکھ کے وہ مجموعہ عنایت کیا۔ عرصہ تک سرگرم تلاش رہا، جابجا سے اور تحریریں مرزا صاحب کی بہم پہنچائیں۔ بڑی محنت اٹھائی تب تمنا بر آئی اور مجموعہ مرتب ہوا آج پورا اپنا مطلب ہوا۔ خواجہ غلام غوث خان صاحب بہادر بے خبر تخلص جو نواب معلیٰ القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی وشمالی کے میر منشی اور میرے مخدوم خاص اور حضرت غالب صاحب کے مخلص با اختصاص ہیں اس تلاش میں میرے معین اور مددگار رہے۔ بہت کچھ ذخیرہ ان کی بدولت بہم پہنچا۔ اس کتاب کی دو فصل اور ایک خاتمہ ہے۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کے مرتب کئے ہوئے خطوط اور ان کا لکھا ہوا دیباچہ دوسری فصل میں میرے جمع کیے ہوئے رقعات اور خاتمہ میں چند نثریں ہیں جو جناب غالب نے اوروں کی کتاب پر تحریر فرمائی ہیں۔ عود ہندی اس کتاب کا نام ہے خوشبو اس کی

تمام عالم میں پھیلے۔''

(عودِ ہندی، مرتبہ سید محمد حسنین، ص: ۱۴۔۱۳، اسرار کریمی پریس، الہٰ آباد، ۱۹۷۲ء)

مذکورہ بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ مجموعہ خصوصی طور پر منشی ممتاز علی خان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ۱۸۲ صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں تقریباً ۱۷۳ خطوط شامل ہیں۔

عود ہندی دو فصلوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آغاز میں منشی ممتاز علی خاں اور عبدالغفور سرور کا دیباچہ شامل ہے۔ اس میں سرور کے نام ۱۳۱ خطوط کو شامل کیا گیا ہے۔ دوسری فصل میں ۱۹ مختلف مکتوب الیہ کے نام خطوط شامل ہیں۔ جن میں زیادہ تر خطوط انور الدولہ شفق، مرزا حاتم علی مہر، غلام غوث بے خبر، عبدالرزاق شاکر، قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی، اور میر مہدی مجروح کے نام ہیں۔ مجموعے کے آخر میں غالب کی چند نثری تحریریں شامل ہیں جو کہ غالب کی ان تقریظوں اور دیباچوں پر مشتمل ہیں جو انہوں نے مختلف لوگوں کی تصانیف اور مثنویوں پر لکھے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ابتدا میں غالب اپنے اردو خطوط کو منظر عام نہیں لانا چاہتے تھے۔ جس کی دو صورتیں بتائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ مرزا اپنے اور اپنے دوستوں کے درمیان نجی معاملات کو عام کرنے میں عذر محسوس کر رہے تھے اور دوسرے یہ کہ اس وقت وہ اپنی اردو نثر کو فارسی کے مقابلے میں کمتر سمجھتے تھے۔ مگر جب دوستوں نے مزید اصرار کرنا شروع کیا تو وہ راضی ہو گئے اور محض ایسے خطوط کو مرتب کرنے کا خیال ظاہر کیا گیا جو علمی اعتبار سے بلند ہوں۔ اس بات کی تصدیق خواجہ غلام غوث بے خبر کو لکھے گئے ایک خط سے بھی ہوتی ہے:

''اب یہ عبارت جو تم کو لکھ رہا ہوں یہ لائق شمول مجموعۂ نثر اردو کہاں ہے۔ یقین جانتا ہوں ایسی نثروں کو آپ خود درج نہ کریں گے''

(خطوط غالب، مرتبہ غلام رسول مہر، ص: ۳۹۹، کشمیری بازار، لاہور، ۱۹۶۲ء)

لیکن ''عود ہندی'' کے خطوط کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ علمی معیار کے مطابق خطوط شامل کرنے کی تخصیص نہیں کی گئی، بلکہ اس میں ہر قسم کے خطوط کو شامل کیا گیا ہے۔ یہاں طلبا کی آسانی کے لیے نمونے کے طور پر غالب کے مکتوب الیہ میر مہدی مجروح کو لکھے گئے خط سے ایک اقتباس پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

''یہ میرا حال سنو کہ بے رزق جینے کا ڈھب مجھ کو آ گیا ہے۔ اس طرف سے خاطر جمع رکھنا۔ رمضان کا مہینہ روزہ کھا کھا کر کاٹا۔ آئندہ خدا رزاق ہے۔ کچھ اور کھانے کو نہ ملا تو غم ہے۔ بس صاحب، جب ایک چیز کھانے کو ہوئی، اگرچہ غم ہی

ہو، تو پھر کیا غم ہے۔''

(عود ہندی، مرتبہ سید محمد حسنین، ص: ۱۱۷، اسرار کریمی پریس، الہ آباد، ۱۹۷۲ء)

اسی طرح منشی ہر گوپال تفتہ کے نام لکھے گئے خط کا یہ اقتباس دیکھیے:

''یہ کوئی نہ سمجھے میں اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم میں مرتا ہوں جو دکھ مجھ کو ہے اس کا بیان تو معلوم مگر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں انگریزوں کی قوم میں سے جو ان روسیاہ کالوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس میں کوئی میرا امید گاہ تھا اور کوئی میرا شفیق تھا اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیوں میں کچھ عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد کچھ معشوق سو وہ سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزوں کا ماتم دار ہو اس کو زیست کیوں کر نہ دشوار ہو۔ ہائے اتنے یار مرے کہ جو اب میں مروں گا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

(عود ہندی، مرتبہ سید محمد حسنین، ص: ۱۴۵، اسرار کریمی پریس الہ آباد، ۱۹۷۲ء)

اردوئے معلیٰ:

اردوئے معلیٰ غالب کے مکاتیب کا دوسرا مجموعہ ہے جو اکمل المطابع دہلی سے ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے کی ترتیب عود ہندی کی طباعت سے پہلے شروع ہوئی تھی۔ چوں کہ عود ہندی کی طباعت میں تاخیر ہو رہی تھی اور شائقین کی طرف سے خطوط کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ اس لیے دہلی میں غالب کے بعض عزیز شاگردوں نے خطوط کو ترتیب دینا چاہا۔ چنانچہ غالب نے خود اس مجموعے کے لیے دوستوں سے خطوط کی نقلیں فراہم کیں۔
علاء الدین خان علائی کے نام ایک خط میں غالب لکھتے ہیں کہ:

''مطبع اکمل المطابع میں چند احباب میرے مسودات اردو کے جمع کرنے پر اور اس کے چھپوانے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ مجھ سے مسودات مانگے ہیں اور اطراف و جوانب سے بھی فراہم کیے ہیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا جو لکھا وہ جہاں بھیجنا ہو وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خط میرے تمہارے پاس بہت ہونگے۔ اگر ان کا ایک پارسل بنا کر بہ سبیل ڈاک بھیج دو گے یا آج کل کوئی ادھر آنے والا ہو، اس کو دو گے تو موجب میری خوشی کا ہوگا''

(بحوالہ غالب کے خطوط، جلد اول، ص: ۴۰۲-۴۰۱، ۱۹۸۴ء)

زیر نظر مکاتیب کے مجموعے کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس کا دیباچہ میر مہدی مجروح اور خاتمہ قربان علی بیگ سالک نے لکھا ہے۔ پہلے حصے میں وہ خطوط شامل کیے گئے جو آسان اور صاف زبان میں ہیں۔ یہ حصہ خصوصی طور پر طالب علموں کے لیے ترتیب دیا گیا ہے۔دوسرے حصے میں وہ خطوط شامل کیے گئے ہیں جن میں مشکل مطالب بیان اور ادبی مسائل پیش کیے گئے ہیں۔اس بات کی وضاحت میر مہدی مجروح اپنے دیباچے میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میر فخر الدین صاحب مہتمم اکمل المطابع دہلی نے سعی بے پایاں اور لالہ بہاری لعل صاحب منشی مطبع مذکور نے کوششِ فراواں سے اکثر خطوط جمع کیے اور قصد الطباع کیا اور اردوئے معلیٰ نام رکھا گیا اور ان خطوں کو دو حصوں پر منقسم کیا۔ پہلے حصے میں صاف صاف عبارت کے خط تحریر کیے تاکہ طلبائے مدرسہ فائدہ اٹھائیں۔دوسرے حصے میں مطالب مشکلہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی تاکہ سخنورانِ معنی یاب اس کے دیکھنے سے مزا پائیں۔''

(اردوئے معلیٰ، سید فخر الدین، ص:۵، اکمل المطابع، دہلی، ۱۸۶۹ء)

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ پہلا حصہ طالب علموں کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے اور دوسرے حصے میں سنجیدہ ادبی نکات کو شامل کیا گیا ہے۔اس حصے میں وہ خطوط شامل کیے گئے ہیں جن میں غالب نے شاعری سے متعلق اہم نکات پیش کیے ہیں۔اس حصے میں غالب کے دیباچوں اور کچھ کتابوں پر ان کے تبصروں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ پہلی مرتبہ ۱۸۶۹ء میں اردوئے معلیٰ کے نام سے کتاب کا صرف پہلا حصہ ہی (میر مہدی مجروح کے دیباچے اور قربان علی بیگ سالک کے خاتمے کے ساتھ) شائع ہوا تھا۔جس میں خاتمۃ الطبع کے تحت اشاعت کی تاریخ ۲۱ ذیقعدہ ۱۲۸۵ ہجری مطابق ۶ مارچ ۱۸۶۹ء جمعہ دی گئی ہے۔خاتمہ میں قربان علی بیگ نے قطعہ میں تاریخ کہی ہے:

ہے یہی سال طبع سال وفات
آج ان کا سخن تمام ہوا

مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اردوئے معلیٰ غالب کی وفات کے ۱۹ دن بعد شائع ہوا۔۴۶۴ صفحات پر مشتمل اردوئے معلیٰ کے ہرگوپال تفتہ، عبدلغفور سرور، میر مہدی مجروح، حکیم غلام نجف خاں، سید احمد مودودی، غلام غوث بے خبر، نواب الدولہ شفق، علاالدین احمد خان علائی، عبدالجمیل جون پوری، نواب یوسف مرزا، منشی شیو نرائن اور مرزا شہاب الدین خان'' وغیرہ ہیں۔

کتاب کے آخر میں غالب کی ایک مختصر سی عبارت کو شامل کیا گیا ہے۔جس میں کتاب چھاپنے کا حق اکمل المطابع کے مالک غلام رضا خان کو دیا گیا ہے۔عبارت اس طرح ہے:

''پیکرِ بے روح ورواں فقیر اسداللہ خان غالب تخلص ہیچمدان کہتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ یہ جواردوئے معلیٰ تصنیف فقیر مطبع اکمل المطابع دہلی میں چھاپا ہوا سو میں نے از راہ فرط محبت اپنا حق تالیف نورِ چشم اقبال نشان حکیم رضا خان کو بخش دیا ہے اور اس حق کو خاص ان کا حق کیا۔اب اور کوئی صاحب اگر مالک اکمل المطابع حکیم رضا خان کے بے اطلاع اردوئے معلیٰ کے چھاپنے کا قصد کریں گے تو مواخذہ سے محفوظ نہ رہیں گے۔''

(اردوئے معلیٰ،سید فخرالدین،ص:۴۶۴،اکمل المطابع،دہلی،۱۸۶۹ء)

یہاں پر''اردوے معلیٰ'' سے خطوں کے دو اقتباسات بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

''میر مہدی تم میرے عادات کو بھول گئے۔ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامعہ کی تراویح ناغہ ہوئی ہے میں اس مہینے میں رامپور کیوں رہتا۔نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے۔برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے۔مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آپہنچا۔یکشنبہ کو غرّہ ماہ مقدس ہوا اسی دن سے ہر صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جا کر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قران سنتا ہوں۔شب کو مسجد جامع جا کر نماز تراویح پڑھتا ہوں کبھی جو جی میں آتا ہے تو وقت افطار مہتاب باغ میں جا کر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں۔واہ واہ کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے۔''

(اردوئے معلیٰ،مرزا غالب،ص:۱۵۳،رام نرائن لعل بک سیلر،الہ آباد،۱۹۵۲ء)

مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام لکھے گئے خط کی یہ عبارت دیکھیے:

''کیوں صاحب،روٹھے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی اور کسی طرح نہیں منتے تو روٹھنے کی وجہ تو لکھو۔میں اس تنہائی میں صرف خطوں کے بھروسے جیتا ہوں۔یعنی جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آتے رہتے ہوں بلکہ ایسا بھی دن ہوتا ہے کہ دو بار ڈاک کا ہرکارہ خط لاتا ہے۔ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو

میری دل لگی ہو جاتی ہے۔ دن ان کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔''

(اردوئے معلّٰی، مرزا غالب، ص: ۴۷، رام نرائن لعل بک سیلر، الہ آباد، ۱۹۵۲ء)

25.3.2 فارسی تصانیف

پنج آہنگ:

پنج آہنگ غالب کے فارسی خطوط کا مجموعہ ہے۔ اس کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعہ پہلی بار مطبع سلطانی، دہلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا جسے مرزا علی بخش نے مرتب کیا تھا۔ دوسرا اڈیشن ۱۸۵۳ء میں منشی نورالدین کے مطبع دارالاسلام دہلی سے شائع ہوا۔ تیسرا اڈیشن نول کشور پریس لکھنؤ سے جنوری ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔ ۱۸ جولائی ۱۸۶۰ء میں غالب نے منشی نول کشور کو کتاب شائع کرنے کے لیے ایک ہلکا سا اشارہ دیا تھا۔ اپنے خط میں غالب لکھتے ہی کہ:

> ''میری فارسی نثر کی تین کتابیں ہیں۔ پنج آہنگ، مہر نیم روز اور دستنبو، آپ یہ کتابیں کہیں سے منگواتے کیوں نہیں ممکن ہے اہل لکھنؤ ان کے مشتاق ہوں۔''

(بحوالہ پنج آہنگ، غالب کے فارسی خطوط کا ترجمہ، مترجم محمد عمر مہاجر، ص: ۱۸۷، ۱۹۶۹ء)

پنج آہنگ کے خطوط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مرزا غالب تقریباً پچاس برس کی عمر تک تمام خط و کتابت فارسی میں کرتے تھے۔ یہ بات اس لیے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ ۱۸۴۸ء سے پہلے کا کوئی بھی خط اردو میں لکھا ہوا نہیں ملتا۔ غالب اپنی فارسی شاعری کی طرح اپنی فارسی نثر کو بھی انشا پردازی کا بہترین نمونہ سمجھتے تھے۔ نواب علی بہادر کے نام اپنے ایک خط میں پنج آہنگ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''اگر پنج آہنگ میری تصنیف نہ ہوتی تو کہتا کہ یہ کتاب فارسی کے لئے قانون کا حکم رکھتی ہے اور دقیق و نازک نکات، نادر ترکیب و فصیح و شیریں لفظوں کا قیمتی ذخیرہ ہے۔ یقین جانیے کہ دیوانِ فارسی اور اردو کا کوئی نسخہ یا میری دوسری نگارشات کا کوئی ورق میرے پاس نہیں ہے۔ دوست ان کے اصلی مسودے لے جاتے رہے اور چھپوا کر کتب فروشوں کے ذریعے دور دور کے شہروں میں فروخت کرواتے رہے ہیں۔''

(پنج آہنگ، غالب کے فارسی خطوط کا ترجمہ، ص: ۱۵۸، مترجم محمد عمر مہاجر، ۱۹۶۹ء)

پنج آہنگ غالب کی فارسی نثر کا پہلا مجموعہ ہے جو پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ان القاب و آداب پر مشتمل

ہے جواس زمانے میں خط وکتابت میں استعمال ہوتے تھے۔دوسرے باب میں فارسی کے مصادراور مصطلحات اورلغات کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔تیسرے باب میں خطوط کا لطف بڑھانے کے لیے غالب نے بعض فارسی اشعار درج کیے ہیں۔چوتھے باب میں غالب کےتحریرکردہ دیباچے اورتقریظیں شامل ہیں۔پانچواں باب غالب کےفارسی خطوط پرمشتمل ہے۔

پنج آہنگ ۱۸۲۶ء سے ۱۸۶۸ء کے درمیان اپنے عزیز دوستوں اور نامور اشخاص کو لکھے گئے خطوط کا مجموعہ ہے۔جس کو غالب کےعزیز دوست اورنسبتی بھائی مرزاعلی بخش خان نے مرتب کیا اوراس پرمفصل دیباچہ بھی لکھا۔خلیل الرحمٰن داؤدی نے مجموعہ نثر غالب اردوکوترتیب دیتے وقت کتاب کے جزِواول میں رسائلِ غالب کےعنوان کےتحت''نکاتِ غالب'' کے نام سے غالب کا ایک مضمون شامل کیا ہے جس میں غالب نے پنج آہنگ کا تذکرہ کرتے ہوئےلکھا ہے کہ:

''اس زمانے سےتیس برس پہلے(۱۸۳۷ء) میں نے اپنی نثریں جمع کیں اوراس کا پنج آہنگ نام رکھا۔آہنگ لغتِ فارسی ہے اور اس کے دومعنی ہیں،قصد و آواز۔چوں کہ وہ مجموعہ پانچ باب کا ہےیعنی باب کوآہنگ قرار دیا ہے۔یہ لغت دونوں معنوں کی رو سے بجائے باب سزاواراور بجا ہے۔چالیس برس کی عمر میں وہ رسالہ لکھا ہےاب ۳۱برس کے بعد یہ ارادہ کیا ہے کہ پنج آہنگ کی چوتھی آہنگ جس میں فارسی کی صرف کا بیان ہےاس کا اردو میں ترجمہ کیا جائے۔''

(مجموعۂ نثر غالب اردو،خلیل الرحمٰن داؤدی،ص:۸۔۷)

مذکورہ اقتباس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ غالب نے اپنی فارسی نثر خود جمع کی تھیں اوراپنے مجموعے کا نام پنج آہنگ بھی خودرکھا تھا۔۱۱دسمبر۱۸۵۸ء میں منشی شیونرائن کو لکھے گئے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ پنج آہنگ کا قلمی نسخہ غالب نےنواب ضیاءالدین خان کےحوالےکردیا تھا۔غالب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:

''ضیاءالدین خان جاگیردار لوہارو میرے سلبی بھائی اور میرے شاگردِ رشید ہیں۔جونظم ونثر میں میں نے کچھ لکھا،وہ انہوں نے لیااور جمع کیا۔چنانچہ کلیاتِ نظمِ فارسی چون پچپن جزواور پنج آہنگ اورنیم روزاور دیوانِ ریختہ سب مل کر سوسوا سو جز ومطلا ومذّہب اورانگریزی ابری کی جلدیں الگ الگ کوئی ڈیڑھ سودوسوروپے کے صرف میں بنوائیں۔میری خاطر جمع کے کلام میرا سب یکجا فراہم ہے۔پھرایک شاہزادے نے اس مجموعۂ نظم ونثر کی نقل لی۔اوردوجگہ میرا

کلام اکٹھا ہوا۔کہاں سے یہ فتنہ برپا ہوااور شہر لٹے۔وہ دونوں جگہوں کا کتاب خانہ خوانِ یغما ہوگیا۔ہر چند میں نے آدمی دوڑائے کہیں ان میں سے کوئی کتاب ہاتھ نہ آئی۔وہ سب قلمی ہیں غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ قلمی فارسی کا کلیات قلمی ہندی کا کلیات قلمی پنج آہنگ قلمی مہرِ نیم روز اگر کہیں ان میں سے کوئی نسخہ بکتا ہوا آئے تو اس کو میرے واسطے خرید لینا اور مجھ کو اطلاع کرنا میں قیمت بھیج کر منگوالوں گا''

(خطوطِ غالبؔ مرتبہ غلام رسول مہر،ص:۲۵۱)

غالب کے فارسی خطوط اس اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں کہ ان خطوط کے ذریعے غالب کے سوانحی گوشوں اور ان کے مذاقِ شعر وسخن کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔خاص طور پر کلکتہ کے سفر سے شاہی قلعے کی ملازمت تک کے حالات کو سمجھنے کے لیے یہ خطوط بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ان خطوط کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ غلام رسول مہر نے غالب کے سفرِ کلکتہ کی تمام تر تفصیلات انہیں خطوں سے مرتب کی ہے۔

غالب نے اپنے فارسی خطوط میں جگہ جگہ اپنی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات بیان کیے ہیں اور متعدد جگہ ادبی نکات بھی پیش کیے ہیں۔پنج آہنگ میں غالب کے ۱۴۹ خطوط شامل ہیں۔ان خطوط کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب نے بیشتر خطوط مصطفیٰ خان شیفتہ،سراج الدین احمد،حسام الدین حیدر خان،محمد علی خاں،رائے جھجمل کھتری وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔اس کے علاوہ غالب کے مکتوب الیہ میں سید علی اکبر خان،صدر الدین خان آزردہ،میجر جان جیکب،ولایت حسین خان،منشی فضل اللہ خان،مظفر حسین خان،ہرگوپال تفتہ،منشی نبی بخش،شیخ امام بخش ناسخ اور منشی نول کشور وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

مہرِ نیم روز:

مہرِ نیم روز میں غالب نے تیمور سے لے کر ہمایوں کے زمانے تک کے حالات قلمبند کیے ہیں۔یہ کتاب پہلی بار ۱۲۷۱ھ بہ مطابق ۵۵-۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی۔اس کتاب کے بارے میں زیادہ تفصیلات تو نہیں ملتی ہیں،مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب ۱۲۶۶ھ میں ابوظفر سراج الدین بادشاہ نے غالب کو نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کا خطاب دیا اور تیموریہ خاندان کی تاریخ لکھنے کے لے مرزا کو پچاس روپے مہینے کا وظیفہ مقرر کیا اور یہ بھی طے کیا گیا کہ حکیم احسن اللہ خاں مختلف تاریخوں سے مضامین جمع کر کے غالب کو دیا کریں اور غالب ان تمام واقعات کو اپنے خاص انداز میں فارسی نثر میں بیان کریں۔اس کتاب کا پورا نام پرتوستان تجویز کیا گیا اور کتاب کو

دو حصوں میں تقسیم کرتے وقت یہ طے پایا کہ پہلے حصے میں مختصراً ابتدا سے لے کر تیمور تک کے حالات اور بعد میں تفصیل سے تیمور سے نصیر الدین ہمایوں کے آخری زمانے تک کے حالات بیان کیے جائیں اور دوسرے حصے میں اکبر کی بادشاہت سے لے کر سراج الدین بہادر شاہ کے زمانے تک کے واقعات تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔اس ضمن میں مولانا حالی نے ''یادگار غالب'' میں لکھا ہے کہ:

''مرزا نے تمام کتاب کا نام پرتوستاں اور اس کے پہلے حصے کا نام مہر نیم روز اور دوسرے حصے کا نام ماہ نیم ماہ تجویز کیا تھا۔ان کو اپنی دو ترکیبوں پر ناز تھا ایک ماہ نیم ماہ اور دوسرے رستخیر بے جا۔مرزا کہتے تھے کہ چودھویں کے رات کے چاند کو ماہ چہاردہ اور ماہ دو ہفتہ تو پہلے لوگوں نے اکثر باندھا ہے،مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے ماہ نیم ماہ کسی نے نہیں باندھا۔یہ ترکیب خاص میری تراشی ہوئی ہے۔مگر افسوس ہے کہ دوسرا حصہ یعنی ماہ نیم ماہ بالکل نہیں لکھا گیا۔مہر نیم روز ختم ہونے کے بعد مرزا نے ذرا آرام لینے کے لیے چند روز توقف کیا تھا اور ارادہ تھا کہ جلد دوسرا حصہ شروع کریں اتنے میں غدر ہو گیا اور اس حصے کا صرف نام ہی نام رہ گیا۔''

(یادگار غالب الطاف حسین حالی،ص:۳۴،۲۰۱۲ء)

جیسا کہ خود غالب کے بیان سے ظاہر ہے کہ ماہ نیم ماہ کا دوسرا حصہ شروع نہیں ہو سکا اسی باعث جب کوئی مرزا سے یہ کتاب طلب کرتا تو وہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''اکثر صاحب اطراف و جوانب سے ماہ نیم ماہ کے بھیجنے کا حکم بھیجتے ہیں اور میں جی میں کہتا ہوں کہ جب مہر نیمروز کی عبارت نہیں سمجھتے تو ماہ نیم ماہ کو لے کر کیا کریں گے۔صاحب مہر نیم روز کے دیباچے میں میں نے لکھ دیا ہے کہ اس کتاب کا نام پرتوستاں ہے اور اس کے دو مجلد ہیں۔پہلی جلد میں ابتدا خلقت عالم سے ہمایوں کی سلطنت تک کا ذکر۔دوسرے میں اکبر سے بہادر شاہ تک کی سلطنت کا بیان، پہلے حصے کا نام مہر نیم روز دوسرے حصے کا نام ماہ نیم ماہ، پہلا حصہ چھاپا گیا جا بجا بھیجا گیا۔قصد تھا جلال الدین اکبر کے حالات لکھنے کا کہ امیر تیمور تک کا نام و نشان مٹ گیا۔''

(غالب،غلام رسول مہر،ص:۴۱۵،۱۹۴۶ء)

الطاف حسین حالی نے ماہِ نیم ماہ کے نامکمل ہونے کی جو دلیل پیش کی ہے وہ قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتی ہے چوں

کہ مہرنیم روز کے مکمل ہونے کے تقریباً تین برس بعد غدر ہوا۔ غدر سے پہلے غالب کے پاس فرصت کے اوقات تھے، وہ چاہتے تو ماہ نیم ماہ کا کام شروع کر سکتے تھے۔ مگر تاریخ سے عدم دلچسپی کی وجہ سے وہ اس کام سے اوب گئے تھے۔ دوسرے یہ کہ حکیم احسن اللہ خان نے بھی سہل نگاری سے کام لیا اور غالب کو اردو کا مسودہ نہیں بھیجا۔ اس لیے اس کتاب کا دوسرا حصہ ماہ نیم ماہ سرے سے وجود میں ہی نہیں آیا۔ ان تمام باتوں کی طرف غالب نے اپنے بعض مکاتیب میں اشارہ بھی کیا ہے۔ بہرکیف مہرنیم روز میں جن عنوانات کے تحت غالب نے موضوعات کو تقسیم کیا ہے، وہ اس طرح ہیں:

آغاز، زمزمۂ نعت، ترانہ مدح، خطاب زمین بوس، سبب تالیف کتاب، مہرنیم رو پرتو فشانی کا آغاز، پرتو، ہستی آدم کے ظہور کے بارے میں، پرتو، ترک ابن یافث کی دارائی سے، منگلی خان کی قہرمانی تک کے حالات میں، پرتو، ایلخان سے بایسنغر خاں تک حالات میں، پرتو، تومنہ خان سے برتان بہادر تک کے حالات میں، پرتو، میسیو کا بہادر سے چنگیز خاں کے حالت میں، پرتو، قاچارنویوں کی سپہ سالاری سے امیر تیمور کی شہنشاہی تک کے حالات میں، پرتو، ظہیر الدین بابر بادشاہ کی جہاں گردی و جہانگیری کے حالات میں، پرتو، ظہیر الدین ہمایوں بادشاہ کے حالات میں۔

دستنبو:

غالب کی فارسی تصنیف ''دستنبو'' پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ فارسی زبان میں لکھا ہوا ایک روزنامچہ ہے جس میں غالب نے غدر سے متعلق حالات اور اپنی مشکلات و مصائب کا دل دوز انداز میں بیان کیا ہے۔ ۸۷ صفحات پر مشتمل اس روزنامچے کی زبان کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس مختصر سے روزنامچے میں ایسا اسلوب اختیار کیا گیا ہے جس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ غالب برطانوی حکومت کے وفادار تھے۔ غالب نے بعض دلائل ایسے پیش کیے ہیں جن کا مقصد انگریزوں کو اپنی وفاداری پر یقین دلانا تھا۔ ۱۸۵۷ء کی ناکام بغاوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مالی مشکلات، اور اپنے ہی گھر میں اسیر ہو جانے کا بیان ہے، وہیں دوسری طرف اس روزنامچے میں ایسے حصے بھی ملتے ہیں جن میں دلی کی تباہی و بربادی، نیز آزادی کی جدو جہد کرنے والوں کا بہیمانہ قتل، دلی میں قیام پذیر لوگوں کی بے بسی اور لاچاری اور دربدری کا نہایت پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالب کا یہ مختصر سا روزنامچہ ۱۸۵۷ء کی جدو جہد آزادی پر روشنی ڈالتا ہے اس اعتبار سے دستنبو کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ حالاں کہ غالب کے خطوط ہوں یا ان کا روزنامچہ، ان سے مورخ جیسی صداقت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ان کی ہر تحریر میں معروضیت سے زیادہ موضوعیت اور ذاتی تاثرات کا آنا فطری بات تھی۔ چنانچہ ان کے روزنامچے کو بھی اسی نقطہ نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

'دستنبو' میں ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء سے ۳۱ رجولائی ۱۸۵۸ء تک کی مصنف کی سرگزشت ہے۔ غالب نے یہ کتاب

فارسی میں لکھی۔ جو عام طور پر رائج زبان سے مختلف تھی بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ کتاب دساتیر کی زبان میں لکھی گئی تھی۔ مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اس قدیم اور مشکل زبان کو عام لوگ آسانی سے نہ سمجھ پائیں اور ان کو اپنے ہم وطنوں کی نگاہ میں بے وقعت نہ ہونا پڑے۔ غالب نے 'دستنبو' میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

> ''اس کتاب میں شروع سے آخر تک ان حالات کا ذکر ہے جو مجھ پر گزر رے ہیں۔ یا ان واقعات کا ذکر ہے جو سننے میں آئے ہیں۔ میں نے جو شنیدہ حالات لکھے ہیں تو کوئی یہ خیال نہ کرلے کہ میں نے جھوٹ باتیں سنی ہوں گی یا کچھ کم کر کے لکھی ہوں گی۔ میں داروگیر سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، اور سچائی میں نجات ڈھونڈتا ہوں''

(دستنبو، مترجم خواجہ احمد فاروقی، ص:۵۷)

دستنبو میں غالبؔ نے ہندوستانیوں کی مذمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور انگریزوں کی تحسین وتعریف کا کوئی پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ غالب نے انگریزوں کو حاکمان عادل، اختر تابندہ، شیر دل فاتحین، پیکر علم وحکمت اور خوش اخلاق ونیک نام جیسے اوصاف والقاب سے یاد کیا ہے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ دراصل غالب نے دستنبو کے نام سے اپنا روزنامچہ صرف اسی مقصد کے تحت لکھنا شروع کیا تھا کہ وہ انگریزوں کے لیے اپنی وفاداری کا ثبوت فراہم کرسکیں۔ کیوں کہ اس وقت مرزا کی سب سے بڑی ضرورت پنشن کا اجرا تھا۔ ان حالات میں غالب کی جو توقعات قصیدے نہ پوری کرسکے وہ کام انھوں نے اپنی فارسی تصنیف دستنبو سے لینے کی کوشش کی تھی۔ چوں کہ اس کی اشاعت نہ ہو پارہی تھی اس کے بارے میں خود غالب نے تفتہ کے نام اپنے مکتوب میں وضاحت کی ہے جن کی زیر نگرانی دستنبو چھپ رہی تھی۔ اس خط میں خود غالب نے بھی صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ دستنبو لکھنے کا اصل سبب انگریز حکمرانوں کو خوش کرنا تھا۔ مرزا غالب جس طرح دستنبو کی اشاعت کو انگریز حکمرانوں کی خوشنودی کا سبب سمجھتے تھے اس طرح ان کو اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ کوئی ہندوستانی مطبع اس کی اشاعت کے لیے آسانی سے کیوں آمادہ نہیں ہوسکتا تھا۔ گویا کسی ہندوستانی کا اس کو چھاپنا اپنے ملک وقوم سے غداری کا ثبوت ہونا تھا۔ 'دستنبو' کے ساتھ ساتھ غالب کے خطوط کے مطالعے سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے جہاں غالب مجبور ہیں وہاں وہ انگریزوں کی نیازمندی ضرور اختیار کرتے ہیں، مگر جہاں آزادی کے ساتھ اپنی کیفیت بیان کرسکتے ہیں اس کے لیے وہ اپنے خطوط کا سہارا لیتے ہیں۔ دستنبو لکھنے کا اصل مقصد انگریزوں کو خوش کرنا اور اپنے مافی الضمیر اور حقیقی رائے کو چھپانا تھا۔ مگر ان کے خطوط پوری طرح ذاتی نوعیت کے ہیں جن میں غالب کا صحیح نقطۂ نظر سامنے آجاتا ہے۔

قاطع برہان:

قاطع برہان کا پہلا ایڈیشن منشی نول کشور پریس سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا۔ قاطع برہان کا دوسرا ایڈیشن مع اضافہ ۱۸۶۵ء میں درفش کاویانی کے نام سے اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوا۔ قاطع برہان کا زمانہ وہ تھا جب غدر کی ناکامی اور ہنگامے سے طرح طرح کی مصیبتیں نازل ہورہی تھیں۔ اس وقت مرزا اپنا بیشتر وقت تنہائی میں گزارتے تھے۔ اور اپنے دوستوں سے ان کے ملنے کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ کچھ وقت تک مرزا دستنبو کی ترتیب میں مصروف رہے، اس کے بعد مطالعے کے سوا وقت گزارنے کا کوئی اور وسیلہ ان کے پاس نہیں تھا۔ اس وقت مرزا کی نظر فارسی لغت ''برہان قاطع'' پر پڑی جس کے مؤلف محمد حسین جو تبریزی کے نام سے مشہور ہیں، اس کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں غالب نے اپنے ایک خط میں عالم مارہروی کو لکھا ہے:

> ''اس درماندگی کے دنوں میں چھاپے کی ''برہان قاطع'' میرے پاس تھی۔ اس کو میں دیکھا کرتا تھا۔ ہزار ہا لغت غلط، ہزار ہا بیان لغو، عبارت پوچ، اشارت پادر ہوا۔ میں نے سو دو سو لغت کے اغلاط لکھ کر ایک مجموعہ بنایا ہے اور قاطع برہان اس کا نام رکھا ہے۔ چھپوانے کا مقدور نہ تھا، مسودہ کاتب سے صاف کروالیا ہے۔ اگر کہو تو بہ سبیلِ مستعار بھیج دوں۔ تم اور چودھری صاحب اور جو سخن شناس اور منصف ہوں، اس کو دیکھیں اور پھر میری کتاب میرے پاس پہنچ جائے۔''

(قاطع برہان کا پہلا مسودہ، امتیاز علی عرشی، ص: ۱۰، رضا لائبریری رامپور)

قاطع برہان میں غالبؔ نے برہان قاطع پر اعتراضات کرتے ہوئے لغت کے دقیق مسائل پر بات کی ہے۔ قاطع برہان میں مشکل اسلوب اختیار کیا گیا ہے جس کو سمجھنا ہر کس و ناکس کی بات نہیں ہے۔ اس بات کا دعویٰ خود غالب نے میر مہدی مجروح کو لکھے گئے ایک خط میں تفصیل سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس شخص میں پانچ خصوصیات موجود ہوں گی صرف وہ ہی قاطع برہان کے دقیق مسائل کو سمجھ سکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''یہ یاد رہے کہ جو صاحب اس کو دیکھیں گے، وہ ہرگز نہ سمجھیں گے، صرف برہان قاطع کے نام پر جان دیں گے۔ کئی باتیں جس شخص میں جمع ہوں گی، وہ اس کو مانے گا۔...... پہلے تو عالم ہو، دوسرے فن لغت کو جانتا ہو۔ تیسرے فارسی کا علم خوب ہو، اور اس زبان سے اس کو لگاؤ ہو، اساتذۂ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف ہو، ہٹ دھرم نہ ہو، پانچویں طبعِ سلیم و ذہنِ مستقیم رکھتا ہو، معوج الذہن اور کج فہم نہ ہو۔ نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہوں گی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دے گا۔''

(قاطع برہان کا پہلا مسودہ، امتیاز علی عرشی، ص: ۱۰)

قاطع برہان کے منظر عام پر آتے ہی لوگ اس کی کھل کر مخالفت کرنے لگے اور کئی رسالے ''قاطع برہان'' کے جواب میں سامنے آئے جن میں 'محرق قاطع' قاطع القاطع ،ساطع برہان اور موید برہان وغیرہ شامل ہیں۔ان رسائل کے جواب خود غالب اوران کے احباب نے دیے اوران تحریروں کو رسالوں اور کتابوں کی صورت میں شائع بھی کیا۔معاملہ کچھ بھی رہا ہولیکن ''برہان قاطع'' جیسی قدیم لغت کی غلطیوں کوسامنے لاکر غالب نے تحقیق کی اہمیت کواجاگر کیا ہے۔

لطائف غیبی:

غالب نے ''برہان قاطع'' کی اغلاط کو' قاطع برہان' کے نام سے شائع کیا تو اس کے جواب میں سعادت علی خان (سابق میر منشی ریزیڈنٹ راجپوتانہ) نے ''محرق قاطع برہان' شائع کی ،جس کے جواب میں غالب نے ایک رسالہ ''لطائف غیبی' کے نام سے لکھا جو اکمل المطابع سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا۔اس وقت اس رسالے کی قیمت آٹھ آنے مقرر ہوئی ۔۴۴ صفحات پر مشتمل اس رسالے میں مختلف اعتراضات کا جواب بیس لطیفوں کی صورت میں دیا گیا ہے۔غالب کے تمام محققین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ رسالہ غالب نے خود لکھا ہے اورا سے اپنے عزیز شاگرد میاں داد خان سیاح کے نام سے شائع کروایا ہے۔لطائف غیبی صرف ایک بار شائع ہوا۔اس کے بعد اس رسالے کی اشاعت کبھی نہیں ہوئی۔غالب کی دیگر تصانیف کی طرح لطائف غیبی کے اسلوب میں بھی طنز وظرافت اور شوخی کا رنگ نمایاں ہے۔جس کا اندازہ ذیل کے اقتباسات سے لگایا جاسکتا ہے۔غالب،منشی سعادت علی خاں کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

> ''محرق کا جامع کوئی شخص ہے رعایائے دہلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں محکمہء انگریزی کا سررشتہ دار ہوگیا تھا اور اب خانہ نشین ہے،موسوم بہ منشی سعادت علی۔نہ نثر سے واقف، نہ نظم سے آگاہ، نہ عقل کا سرمایہ، نہ علم کی دست گاہ۔کسی بستی میں، کسی گاؤں میں، کسی گھاٹ پر، کسی بات پر اس بزرگ کا نام کسی سے نہیں سنا۔''

(مجموعۂ نثر غالب اردو، خلیل الرحمٰن داؤدی،ص:۵۹۔۶۰)

بطور نمونہ لطیفہ نمبرایک (۱) کی عبارت دیکھیے:

> ''جس شخص کا بادشاہی دفتر میں اسداللہ خاں نام لکھا گیا ہو اور نواب گورنر جنرل بہادر کے محکمہ محتشمہ سے ''خان صاحب بسیار مہربان دوستان مرزا اسداللہ خان'' لکھا جاتا ہو،اگر ایک شخص گم نام رعایائے دہلی میں سے اس کا نام بگاڑ کر لکھے،تو اس نامور کا کیا بگڑا،مگر لکھنے والے کا حمق مع البغض ثابت ہوگیا۔اس سے زیادہ

گرم ایک فقرہ اور سنیے۔ منشی جی قاطع کی عبارت کو برا بتاتے ہیں اور پھر کہیں کہیں اسی انداز کے ایک دو جملے لاتے ہیں۔ فقرہ پورا کب لکھ سکتے ہیں۔ دو چار لفظ جمع کیے اور ٹھیک نکل گئی، جیسے پڑھا طوطا دن بھر میں کبھی حق اللہ پاک ذات اللہ بول اٹھتا ہے اور باقی تمام دن ٹیں ٹیں کیا کرتا ہے۔ مانا کہ قاطع برہان کے جواب میں لکھنے سے منشی جی کی مراد یہ تھی کہ کنج خمول سے باہر آئیں اور ایک صاحب نام و نشان کے مقابل ہو کر خود بھی نام پائیں۔ یہ نہ سمجھے کہ مشہور نہ ہوں گے، مگر اشتہاری ہو جائیں گے۔''

(مجموعۂ نثر غالب اردو، خلیل الرحمٰن داؤدی، ص:۶۴)

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ لطائف غیبی غالب کی اپنی فکر کا نتیجہ ہے۔ جس میں انہوں نے ظرافت اور شوخی کے علاوہ طنزیہ انداز سے بھی خوب کام لیا ہے۔

سوالات عبدالکریم:

سوالات عبدالکریم لطائف غیبی کی طرح آٹھ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ جو غالب نے اپنے شاگرد عبدالکریم کے فرضی نام سے سے شائع کروایا۔ اس رسالے میں محرق قاطع برہان کے جواب میں سولہ سوالات کو پیش کر کے جوابات طلب کیے گئے ہیں۔ سوالات عبدالکریم غالب کی حیات میں پہلی دفعہ ۱۸۶۵ء میں چھپا تھا۔ خلیل الرحمٰن داؤدی کے مطابق اس رسالہ کو قاضی عبدالودود نے سہ ماہی مجلّہ ''معاصر'' پٹنہ (حصہ ۳، مرتبہ عبدالمنان بیدل) میں ۱۹۵۲ء میں دوبارہ شائع کیا تھا۔

مرزا غالب نے ''قاطع برہان'' میں ''برہان قاطع'' کے ۲۸۴ الفاظ پر اعتراض کیا تھا۔ ان میں سے ۲۴ الفاظ ایسے تھے جن کو سید سعادت علی نے اپنی تالیف ''حدائق العجائب'' میں شامل کر کے صحیح ثابت کیا تھا۔ اسی لیے سید سعادت علی خان نے ''قاطع برہان'' پر اعتراض کر کے اپنی کتاب ''محرق قاطع برہان'' میں غالب کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔ ان اعتراضات کو دور کرنے کی غرض سے سوالات عبدالکریم لکھا گیا۔ جس کا مقصد سید سعادت علی خان کو سبک اور ہلکا ثابت کرنا تھا، ساتھ ہی یہ بھی بتانا تھا کہ جس کے یہاں زبان کی غلطیاں عام طور پر پائی جاتی ہوں وہ غالب جیسے فارسی داں کا مقابلہ کیسے کر سکتا؟

اس رسالہ میں ''محرق قاطع برہان'' کے پہلے پچاس صفحات کی غلطیوں کی نشاندہی مختلف سوالات اور اعتراضات کی صورت میں ملتی ہے۔ ہر سوال میں صفحہ نمبر اور سطر نمبر کے حوالے سے لغوی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مختلف لہجوں میں جواب طلب کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں اپنی غرض و غایت کا اظہار اور سوالات کے جوابات کو اس

طرح طلب کیا گیا ہے:

> ''اضعفِ بندگانِ ربّ کریم، عاصی عبدالکریم، منشی سعادت علی صاحب کی خدمتِ بابرکت میں عرض کرتا ہے کہ میں محرق قاطع برہان کو دیکھ کر آپ کی فارسی دانی، بلکہ ہمہ دانی کا معتقد ہوا، مگر، اپنی قصورِ فہم سے بعض ترکیبوں کو نہیں سمجھا، ناچار ان کی حقیقت آپ سے پوچھتا ہوں، اور متوقع ہوں کہ ہر سوال کا جواب جداگانہ بہ عبارتِ سلیس عام فہم لکھیے گا۔''

(قاضی عبدالودود، قاطع برہان مع رسائل متعلقہ، ص: ۱۷۷، ۱۹۶۷ء)

سوالات عبدالکریم جہاں غالب کی ذاتی اور ادبی معرکہ آرائی کا بہترین نمونہ ہے، وہیں ان کی لیاقت علمی اور نکتہ سنجی کا بھی ایک معتبر حوالہ ہے۔ اس لحاظ سے سوالات عبدالکریم ایک علمی اور ادبی فن پارے کی حیثیت سے اہمیت کا حامل رسالہ ہے۔

نامۂ غالب:

قاطع برہان کی مخالفت میں مرزا رحیم بیگ میرٹھی نے ۱۵۷ صفحات پر مشتمل کتاب ساطع برہان لکھی تو اس کے جواب میں غالب نے رحیم بیگ کے نام ۱۲ صفحات کا ایک خط کتابی صورت میں تحریر کیا۔ جو ۱۸۶۵ء میں مطبع محمدی محمد مرزا خان دہلی سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ نامۂ غالب ۱۸۶۵ء کو ''اودھ اخبار'' میں بھی شائع ہوا تھا۔ بعد میں نامۂ غالب کو ان کے خطوط کے مجموعے عودِ ہندی میں بھی شامل کر لیا گیا۔ غالب نے اس خط کے پانچ نسخے نواب رام پور کو بھی بھیجے تھے۔ نامۂ غالب کو غالب نے چوں کہ اہتمام کے ساتھ کتابی صورت میں بھی شائع کیا تھا اس لیے اس کی حیثیت غالب کی ایک اہم تصنیف کے طور پر مانی جاتی ہے۔ نامۂ غالب کی حیثیت ان کے دوسرے خطوط سے جدا ہے۔ یہ خط غالب کی شعوری کوشش کا نتیجہ ہے۔ جس میں انہوں نے مرزا رحیم بیگ سے مخاطب ہو کر مختلف علمی اور ادبی نکات پر گفتگو کی ہے۔

تیغ تیز:

قاطع برہان کی مخالفت میں مختلف لوگوں کی طرف سے ''محرق قاطع برہان'' ''ساطع برہان'' قاطع القاطع'' جیسی کتابیں منظر عام پر آتی رہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کتاب آغا احمد علی کی ''موید برہان'' بھی ہے۔ مولوی آغا احمد علی خان مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں فارسی زبان کے استاد تھے۔ موید برہان کے جواب میں غالب نے ۳۴ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ''تیغ تیز'' کے نام سے لکھا۔ جو اکمل المطابع دہلی سے ۱۸۶۷ء میں صرف ایک ہی مرتبہ شائع ہوا۔ تیغ تیز ۷ فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی ۶ فصلوں میں غالب نے ''موید برہان'' پر ایک ایک کر کے اعتراضات کیے

ہیں اور پھر ان کے جوابات بھی دیے ہیں۔ آخری فصل میں غالب نے ''برہان قاطع'' پر چند اعتراضات کیے ہیں جو کہ قاطع برہان میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔

اس رسالہ کو لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ تمام اعتراضات اور ان کے جوابات کو شائع کروا کر وہ اپنے اہل زبان دوستوں کے پاس بھیج سکیں۔ رسالے کی ابتدا میں غالب اپنے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''احمد علی کے الفاظ مذموم سے قطع نظر کر کے ان کے مطالب علمی کا جواب اپنے ذمے لیا، اس نگارش کا نام 'تیغ تیز' رکھوں گا اور بعد اتمام اس کو چھپواؤں گا اور اپنے احباب دور و نزدیک کی خدمت میں بھجواؤں گا''

(مجموعۂ نثر غالب اردو، خلیل الرحمٰن داؤدی، ص:۱۸۱)

کتاب کے آخر میں ''اللہ اکبر'' کے عنوان کے تحت ایک ادبی استفتا دیا گیا ہے جس میں غالب نے اہلِ زبان سے ۱۶ سوالات کے جوابات طلب کیے ہیں۔ جن کے جوابات مصطفیٰ خان شیفتہ نے دیے ہیں۔ ان جوابات کی تصدیق الطاف حسین حالی، مولوی سعادت علی خان اور نواب ضیاء الدین احمد خان نے کی ہے۔

تیغ تیز کے مطالعے سے ایک طرف تو غالب کی علمیت، ذہانت اور فارسی دانی کا پتہ چلتا ہے وہیں دوسری طرف ان کے بعض شخصی اوصاف پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ تیغ تیز کے اسلوب میں سلاست، ٹھہراؤ اور جامعیت کے ساتھ طنزیہ اسلوب کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ تیغ تیز غالب کے قلم سے نکلنے والا آخری رسالہ تھا۔ اس رسالہ کی اشاعت کے بعد مولوی احمد علی اور غالب کے معاونین کے درمیان قطعاتِ نظم کی جنگ چھڑ گئی تھی۔

25.3.3 ماحصل

عزیز طلبا! اس اکائی کو پڑھنے کے بعد آپ بہ خوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ غالب کی اردو اور فارسی نثری تصانیف میں مکاتیب ہوں، روزنامچہ ہو، تاریخی مباحث یا لغت کے دقیق مسائل کا بیان ہی کیوں نہ ہو مگر انھوں نے اپنی علمی لیاقت، جدت ادا، انداز نگارش، فکر کی بلندی، بذلہ سنجی اور ظرافت کا پہلو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور عام روش سے ہٹ کر جداگانہ انداز اختیار کیا یہی وجہ ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ غالب کی تحریروں کی مقبولیت اور معنویت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اردو کے مقابلے غالب نے فارسی میں کثرت سے لکھا ہے۔ ان کی فارسی تصانیف میں پنج آہنگ فارسی میں لکھے گئے خطوط کا مجموعہ ہے۔ مہر نیم روز میں تیمور سے لے کر ہمایوں کے عہد تک کا تاریخی بیان ملتا ہے۔ دستنبو میں غدر کے دوران غالب کو جن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اس کا پر درد بیان ہے۔ قاطع برہان فارسی لغت برہان قاطع کے جواب میں لکھی گئی۔ جس میں غالب کو لغت کی بے شمار غلطیاں نظر آئیں چنانچہ ان اغلاط کی نشاندہی کر کے جب کتابی صورت میں منظر عام پر لایا گیا تو غالب کے خلاف احتجاج ہونے لگا اور اعتراضات کا نہ تھمنے والا سلسلہ چل نکلا۔ ان اعتراضات کے جواب کبھی غالب نے

اپنے اور کبھی دوسرے کے نام سے دینے شروع کردیے۔ غالب نے لطائف غیبی، سوالات عبدالکریم، نامۂ غالب، اور تیغ تیز میں قاطع برہان پر کیے گئے تمام اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ یہ تمام جوابات اس انداز سے دیے گئے ہیں کہ قاری غالب کی ذہانت اور نکتہ رسی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

25.4 آپ نے کیا سیکھا؟

عزیز طلبا! اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے:

- غالبؔ کی اردو نثری تصانیف سے واقفیت حاصل کی۔
- غالبؔ کی فارسی نثری تصانیف کی معلومات حاصل کی۔
- غالبؔ کی نثری تصانیف کے موضوعات ومضامین کا ادراک کیا۔
- غالبؔ کی نثری کتابوں کے تالیفی وتصنیفی اسباب ومحرکات سے آگہی حاصل کی۔
- غالبؔ کے نثری اسلوب اور جدت طبع کو سمجھنے کی کوشش کی۔

25.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ ''پنج آہنگ'' کیا ہے اور وہ کتنے ابواب پر مشتمل ہے؟ وضاحت کیجیے۔

۲۔ ''مہر نیم روز'' کے متعلق اپنی معلومات مختصراً قلم بند کیجیے۔

۳۔ دستنبو کب شائع ہوا اور اس کے موضوعات کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

۴۔ غالبؔ کا پہلا اردو خطوط کا مجموعہ کب اور کس نے شائع کیا؟ واضح کیجیے۔

۵۔ قاطع برہان کس لغت کے جواب میں لکھی گئی اور اس کا دوسرا اڈیشن کس نام سے شائع ہوا؟ تحریر کیجیے۔

25.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ پنج آہنگ غالب کی فارسی نثر کا پہلا مجموعہ ہے جو پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب ان القاب وآداب پر مشتمل ہے جو اس زمانے میں خط وکتابت میں استعمال ہوتے تھے۔ دوسرے باب میں فارسی کے مصادر اور مصطلحات اور لغات کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ تیسرے باب میں خطوط کا لطف بڑھانے کے لیے غالب نے بعض فارسی اشعار درج کیے ہیں۔ چوتھے باب میں غالب کے تحریر کردہ دیباچے اور تقریظیں شامل ہیں۔ پانچواں باب غالب کے فارسی خطوط پر مشتمل ہے۔

۲۔ مہر نیم روز میں غالب نے تیمور سے لے کر ہمایوں کے زمانے تک کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۲۷۱ھ بہ مطابق ۵۵۔۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے بارے میں زیادہ تفصیلات تو

غالبؔ کی اردو اور فارسی نثری تصانیف کا تعارف

نہیں ملتی ہیں، مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب ۱۲۶۶ھ میں ابوظفر سراج الدین بادشاہ نے غالب کو نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کا خطاب دیا اور تیموریہ خاندان کی تاریخ لکھنے کے لے مرزا کو پچاس روپے مہینے کا وظیفہ مقرر کیا اور یہ بھی طے کیا گیا کہ حکیم احسن اللہ خاں مختلف تاریخوں سے مضامین جمع کر کے غالب کو دیا کریں اور غالب ان تمام واقعات کو اپنے خاص انداز میں فارسی نثر میں بیان کریں۔اس کتاب کا پورا نام پرتوستان تجویز کیا گیا اور کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے وقت یہ طے پایا کہ پہلے حصے میں مختصراً ابتدا سے لے کر تیمور تک کے حالات اور بعد میں تفصیل سے تیمور سے نصیر الدین ہمایوں کے آخری زمانے تک کے حالات بیان کیے جائیں اور دوسرے حصے میں اکبر کی بادشاہت سے لے کر سراج الدین بہادر شاہ کے زمانے تک کے واقعات تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔لیکن اس کا دوسرا حصہ منظر عام پر نہیں سکا۔

۳۔ غالب کی فارسی تصنیف ''دستنبو'' پہلی مرتبہ ۱۸۵۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ فارسی زبان میں لکھا ہوا ایک روزنامچہ ہے۔۱۸۵۷ء کی ناکام بغاوت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مالی مشکلات، اور اپنے ہی گھر میں اسیر ہو جانے کا بیان ہے، وہیں دوسری طرف اس روزنامچے میں ایسے حصے بھی ملتے ہیں جن میں دلی کی تباہی و بربادی، نیز آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کا بہیمانہ قتل، دلی میں قیام پذیر لوگوں کی بے بسی اور لاچاری اور دربدری کا نہایت پرسوز انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ عود ہندی غالب کے اردو خطوط کا پہلا مجموعہ ہے جو اکتوبر ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔ یہ مجموعہ چودھری عبد الغفور سرور منشی ممتاز علی خان اور غلام غوث بے خبر کی کوششوں سے منظر عام پر آیا۔ ابتدا میں چودھری عبد الغفور سرور نے منشی ممتاز علی خاں کی تحریک پر غالب کے ان خطوط کو مرتب کیا جو غالب نے ان کے نام لکھے تھے۔سرور نے ۱۸۶۱ء تک ان خطوط کو ''مہر غالب'' کے نام سے مرتب کیا اور اس پر ایک دیباچہ لکھ کر منشی ممتاز علی خان کے حوالے کر دیا۔ دوسری جانب غلام غوث بے خبر نے غالب کی اجازت سے ۱۸۶۵ء تک غالب کے خطوط کا ایک مجموعہ مرتب کیا اور مجموعے کو منشی ممتاز علی خاں کے سپرد کر دیا۔ بعد میں منشی ممتاز علی نے عبد الغفور سرور اور غلام غوث بے خبر کے مرتب کردہ مجموعوں کو ملا کر اپنے دیباچے کے ساتھ ''عودِ ہندی'' کے نام سے شائع کیا۔

۵۔ محمد حسین تبریزی کی فارسی لغت ''برہان قاطع'' کے جواب میں قاطع برہان تحریر کی گئی۔قاطع برہان کا دوسرا ایڈیشن مع اضافہ ۱۸۶۵ء میں درفش کاویانی کے نام سے اکمل المطابع دہلی سے شائع ہوا۔

25.8 فرہنگ

(الفاظ)		(معنی)
خلعت	:	بادشاہ یا امرا کی طرف سے جو انعام عزت افزائی کے لیے دیا جائے

اردوے معلّیٰ	:	شستہ وشیریں زبان، وہ زبان جوشاہجہان کے وقت سے بہادر شاہ ظفر کے زمانے تک دہلی کے قلعے میں بولی جاتی تھی
عودہندی	:	ایک بہترین قسم کا عود جو ہندوستان میں پیدا ہوتا ہے، ہندوستان کی خوشبو
مکتوب الیہ	:	وہ شخص جس کوخط لکھا جائے
مطلا و مذہّب	:	وہ چیز جس پر سونے کا کام کیا ہوا ہو۔طلائی کام
مواخذہ	:	جواب طلبی، باز پرس
خوان یغما	:	عام لنگر، وہ دولت جومفت میں لٹائی جائے
روزنامچہ	:	ڈائری، جس میں روزانہ کے تاریخ وحالات لکھے جائیں
دساتیر	:	اصول وضوابط، پارسیوں کی مقدس کتاب
عبارت پوچ	:	لغوتحریر، فضول بات
پادرہوا	:	کھویا ہوا، غائب، ندارد، ناپید
حمق	:	نادانی، بے عقلی
کنج خُمول	:	گوشۂ گمنامی، پنہاں ہونا
غرض وغائیت	:	اصل مقصود، مقصد ومدعا
نکتہ سنجی	:	سخنوری، فصاحت، خوش بیانی
استفتا	:	کسی امر سے متعلق دوسرے کی رائے دریافت کرنا، مشورہ، صلاح
محرق	:	بھڑکانے والا، اشتعال انگیز
سغدی	:	ایران کی سات زبانوں میں سے ایک زبان

25.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔ خطوط غالب : مرتبہ غلام رسول مہر

۲۔ یادگارغالب : الطاف حسین حالی

۳۔ دستنبو : مترجم خواجہ احمد فاروقی

۴۔ اردو کا کلاسیکی ادب، مجموعۂ نثر غالب اردو : خلیل الرحمٰن داؤدی

۵۔ قاطع برہان مع رسائل متعلقہ : قاضی عبدالودود

۶۔ غالب کے خطوط : خلیق انجم

اکائی 26 جدید اردو نثر اور غالبؔ کا اسلوب نگارش

ساخت:

26.1 اغراض ومقاصد

26.2 تمہید

26.3 جدید اردو نثر اور غالبؔ کا اسلوب نگارش

26.3.1 اردو کے نثری اسالیب

26.3.2 جدید اردو نثر کا آغاز اور اسباب

26.3.3 غالبؔ کا اسلوب نگارش

26.3.4 ماحصل

26.4 آپ نے کیا سیکھا؟

26.5 اپنا امتحان خود لیجیے

26.6 سوالوں کے جوابات

26.7 فرہنگ

28.8 کتب برائے مطالعہ

26.1 اغراض ومقاصد

عزیز طلبا! اس اکائی میں آپ:

- اردو کے نثری اسالیب سے واقف ہوں گے۔
- جدید اردو نثر کے آغاز واسباب سے متعارف ہوں گے۔
- جدید اردو نثر کے امتیازات سے روشناس ہوں گے۔
- غالبؔ کے اسلوب نگارش کے نمایاں پہلوؤں سے فیضیاب ہوں گے۔
- جدید نثری اسالیب میں غالبؔ کے اسلوب نگارش کی انفرادیت کو سمجھیں گے۔

26.2 تمہید

عزیز طلبا! پچھلی اکائی میں آپ نے غالبؔ کی نثری تصانیف کا مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوا کہ جس

طرح غالب نے شاعری کے توسط سے اپنی منفرد شناخت قائم کی ہے، اسی طرح انھوں نے نثری نگارشات و تصنیفات کے ذریعے اپنا ایک الگ مقام بنایا ہے۔ بالخصوص انھوں نے خطوط نگاری کو اپنی جدت طبع سے مثال آپ کر دیا ہے۔ اب آپ زیرِ نظر اکائی میں غالب کی اردو نثر کے اسلوب و انداز کا مفصل مطالعہ کریں گے۔ یقیناً آپ کو معلوم ہوگا کہ عہدِ غالب تک اردو اسلوب پر مقفّٰی اور مسجع عبارت آرائی کا نقش غالب تھا، مگر مرزا غالب نے اس کے برعکس نثری اسلوب کو پروان چڑھایا۔ غالب کے یہاں سادہ بیانی ہے، بے تکلفی اور سلاست ہے۔ غالب نے مکتوب نگاری کی چلی آرہی روایت سے انحراف کرتے ہوئے اسے نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ اردو نثر کو مشکل پسندی، مقفّٰی و مسجع عبارت آرائی کی بندشوں سے نکال کر سادہ و سلیس اور بے تکلف انداز بیان عطا کیا اور یوں تحریر کو تقریر اور مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔

26.3 جدید اردو نثر اور غالبؔ کا اسلوب نگارش

26.3.1 اردو کے نثری اسالیب

قدیم اردو نثر کا ایک بڑا ذخیرہ فورٹ ولیم کالج کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ اگر ان ذخائر سے قطع نظر کر لیں تو اردو میں بہت کم نثری تصانیف دستیاب ہو سکیں گی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ اس دور کی علمی و ادبی زبان فارسی تھی۔ نثر اکثر فارسی میں ہی لکھی جاتی رہی۔ اردو کے شعرا و ادبا بھی فارسی نثر لکھتے تھے، حتیٰ کہ اردو دیوان پر تقاریظ و تبصرے بھی فارسی میں ہی لکھے گئے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں فارسی نثر کا کتنا بول بالا تھا اور اہل علم اسے کس درجہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ دنیائے شعروادب پر فارسی کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب لوگوں نے اردو نثر لکھنی شرع کی تو وہ بھی فارسی الفاظ و تراکیب اور مشکل عبارت آرائی سے مبرا نہ رہ سکی۔ ہم اس دور کی نثر کو دو حصوں میں دیکھتے ہیں۔ ایک سادہ اور سلیس اسلوب جس کی مثال فورٹ ولیم کالج کے تصانیف اور تراجم ہیں۔ بالخصوص میر امن کی داستان ''باغ و بہار'' جو اپنے سادہ اسلوب اور منفرد زبان و بیان کی بنا پر دنیائے ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے رنگین و مقفّٰی و مسجع عبارت آرائی والا اسلوب۔ یہی دونوں اسلوب اس دور کے رائج اسلوب تھے۔ علمی و ادبی نثر اسی انداز میں لکھی جاتی رہی بلکہ موخر الذکر اسلوب میں جہاں قافیہ پیمائی ہوتی تھی وہیں فارسی کے مشکل تراکیب، بھاری بھرکم الفاظ اور پیچیدہ انداز بیان سے نثر کو آراستہ کیا جاتا تھا۔ وہ محاورے جو فارسی میں رائج تھے من و عن اردو نثر میں بھی لکھے جاتے تھے۔ وہ تراکیب جن کا استعمال فارسی داں اپنی شاعری اور نثر میں کرتے تھے اہل اردو بھی اسے اس کی اصل شکل میں نقل کر دیتے تھے، بلکہ اس پر زیادہ زور دیتے تھے کہ مشکل تراکیب کیسے بنائی جائیں۔ دراصل اردو نثر نگار نہ صرف فارسی داں تھے بلکہ فارسی زبان و ادب اور اسلوب سے خاصہ متاثر بھی تھے۔ وہ اردو نثر میں بھی فارسی زبان کی شیرینی اور اس کے حسن کو داخل کرنے کی کوشش میں مصروف تھے، اسی لیے ہندوستانی زبان کے الفاظ کو استعمال کرنے کے بجائے فارسی، عربی

اور تر کی زبان کا سہارا لیتے تھے۔ اس لیے ان کی تحریریں اردو کم فارسی زیادہ معلوم ہوتی تھیں۔

اس زبان کے نمائندہ ادیبوں میں ایک اہم نام رجب علی بیگ سرور کا ہے۔ ان کی داستان ''فسانۂ عجائب'' ہے۔ یہ ۱۸۲۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔ یہ اپنی مشکل پسندی، مقفّٰی اور مسجع عبارت آرائی، فارسی زبان کے کثرت استعمال کی وجہ سے اپنے زمانے کی نمائندہ تصنیف تسلیم کی گئی۔ اس داستان کی شہرت کا راز بھی اس کے اسلوب میں ہی پوشیدہ ہے۔ بطور نمونہ عبارت ملاحظہ کیجیے:

> ''یہ پنبہ دوہاں ہیچ مداں محرر داستاں مقلد گزشتہ گان سراپا قصور رجب علی بیگ سرور تخلص سرور متوطن حال خطۂ بے نظیر دل پذیر رشک گلشن جناں مسکن حور و غلماں جائے مردم خیز، باشندے یہاں کے ذکی فہم عقل کے تیز اگر دیدہ انصاف و نظر غور سے اس شہر کو دیکھے۔ تو جہان کے دید کی حسرت نہ رہے آنکھ بند کر لے''

مندرجہ بالا عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرور صاحب کس قدر مشکل پسند واقع ہوئے ہیں، لیکن یہ مشکل پسندی ان کے دور کے سیاق میں رائج اسلوب کی شکل میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس زمانے میں اسی کو انشا پردازی کا کمال سمجھا جاتا تھا۔ رجب علی بیگ سرور کے اسلوب کے حوالے سے حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

> ''فسانۂ عجائب کے اسلوب تحریر کو اب کیسا ہی سمجھا جائے اور اسی نظر سے دیکھا جائے لیکن یہ قدیم زمانے کا محبوب و مقبول انداز تھا اور علم انشا کا کمال گنا جاتا تھا۔''

(داستان تاریخ ادب اردو، ص:۱۹۳)

قدیم انداز تحریر کے پیچھے جو عوامل کارفرما تھے ان میں علمیت کی نمائش، زبان دانی اور قدرت کلام کا لوہا منوانے کا رجحان زیادہ نمایاں تھا۔ اس کے ذریعہ لفظی آرائش اور علم و قابلیت کی نمائش ہوا کرتی تھی۔ اظہار مدعا سے زیادہ توجہ آرائش لفظی اور اپنی علمیت کے اظہار پر دی جاتی تھی۔ اس کے لیے پیچیدہ خیالات کو مشکل الفاظ کی مدد سے اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا جاتا تھا تاکہ دوسرے ہم عصروں کو مرعوب کیا جاسکے۔ آسان بات کو مختلف مشکل پیرایوں میں بیان کر کے انشا پردازی پر اپنی قدرت دکھانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ مثلاً رجب علی بیگ سرور نے شب گزرنے اور دن کے ہونے کے عنوان کو اپنے انداز میں یوں برتا ہے جس سے ان کی انشار پردازی پر قدرت کا اظہار ہوتا ہے:

> ''جس وقت زاغ شب نے بیضہ ہائے انجم آشانہ مغرب میں چھپائے اور صیادان سحر خیز دام بر دوش آئے اور سیمرغ زریں جناح مطلا بال غیرت لال قفس مشرق سے جلوہ افروز ہوا یعنی شب گزری روز ہوا''

رجب علی بیگ سرور نے پہلے تو انشا پردازی کی ہے اور جب ان کو یہ اندازہ ہوا کہ الفاظ کی بازی گری میں اصل بات قاری تک نہیں پہنچ پائے گی تو خود ہی آسان زبان میں اپنا مطلب بیان کر دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس زمانے میں اس کو خوبی سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے جب میر امن نے دہلی کی آسان زبان میں باغ و بہار لکھی تو فسانہ عجائب کے مصنف کو سخت اعتراض ہوا۔ ان کے مطابق میر امن کی زبان بامحاورہ نہیں تھی۔ وہ فسانہ عجائب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''میر صاحب نے چار درویش کے قصے میں بکھیڑا کیا ہے کہ ہم لوگوں کے دامن وحصے میں یہ زبان آئی ہے۔ دلی کے روڑے ہیں محاوروں کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں۔ پتھر پڑے ایسی سمجھ پر کہ یہی خیال انسان کا خام ہوتا ہے۔ بشر کو دعوی کب سزاوار ہے، کاملوں کو بے ہودہ گوئی سے انکار بلکہ ننگ و عار ہے۔ مشک آں است کہ خود بگویدنہ کہ عطار بگوید۔''

یہ تو رجب علی بیگ سرور کی بات رہی لیکن ان سے تقریباً پچاس سال پہلے بھی ایک نثری کتاب ملتی ہے۔ جس کا شمار شمالی ہندوستان کی اولین نثری تصنیف میں کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب ہے میر محمد عطا خان تحسین کی نوطرز مرصع جو کہ قصہ چہار درویش کا اردو ترجمہ ہے، لیکن تخلیقیت سے بھرپور۔ مرصع، مسجع، مقفی اور تشبیہات واستعارات سے پر اس تحریر میں دوہوں اور موزوں اشعار کے استعمال سے خوبصورت تحریر کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ تحسین نے یہ کتاب ایسے ماحول میں لکھی جب فارسی نثر کا رعب و دبدبہ تھا۔ مبالغہ کی کثرت فارسی و عربی تراکیب کے استعمال سے کتاب کو مشکل اور گنجلک بنایا جاتا تھا۔ یہی انداز تحسین کی نوطرز مرصع میں بھی موجود ہے۔ ان کا اسلوب اپنے عہد کی عکاس ہے۔ اسلوب مصنوعی اور پر تکلف ہے۔ اگر اس میں ایک طرف تشبیہات واستعارات کی بھرمار، مبالغہ آرائی، تخیل کی بلند پروازی ہے تو دوسری جانب عربی و فارسی کے مشکل اور بھاری بھرکم الفاظ فارسی کے ہی انداز میں جار و مجرور، صفت و موصوف کی معکوسی تراکیب، توازن کا فقدان اور تعقید و گنجلک ہے، مگر انشا پردازی قابل ستائش ہے۔ صبح و شام کی منظر کشی نئے تشبیہات و استعارات کے ساتھ کی ہے جو اپنی مثال آپ ہے اور تحسین کی زبان دانی کی بہترین مثال ہے۔ نمونہ نثر دیکھیے:

''جب طائر زریں بال آفتاب کے نے رخ بیچ آشیانہ مغرب کے کیا اور بیضہ سیمیں ماہتاب کا بطن مرغ مسکیں شب تار کے سے نمودار ہو۔''

شام کی منظر کشی کی بھی ایک مثال آپ کے پیش نظر ہے:

''عروس شفق کی نے کاکل مشکلیں شام کی اوپر چہرے کے کھینچی۔''

اسلوب کے حوالے سے نوطرز مرصع کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ تحسین مسجع، مقفی، مرصع الفاظ اور مشکل تشبیہات و استعارات کے ذریعہ نثر کو شاعری کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔مگر جب اشعار لکھتے ہیں تو حیرت انگیزی کی حد تک آسان گوئی سے کام لیتے ہیں ایسا محسوس ہوتا کہ یہ شعر تحسین کے نہیں ہے۔مثلاً:

خدا کے واسطے ساقی پلا شراب مجھے
جلا خمار کے ہاتھوں نے کر کباب مجھے

اسی سبب تو کسی سے نہیں لگاتا دل
برا لگے ہے زمانے کا انقلاب مجھے

مندرجہ بالا اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ تحسین آسان نثر بھی لکھ سکتے تھے۔مگر اس دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مشکل پسندی سے کام لے کر مشکل عبارت آرائی کی ہے:

''بیچ سرزمین فردوس آئین ولادت روم کے ایک بادشاہ تھا۔سلیمان قدر فریدوں فر، جہاں بان، دین پرور، رعیت نواز، عدالت گستر، بجا آرندہ حاجات بستہ کاراں، بخشندہ مرادات امیدواراں فرخندہ سپہر نام کہ اشعۂ شوارق فضل ربانی کا اور شعشۂ بوارق فیض سجانی کا ہمیشہ اوپر لوح پیشانی اس کے لعاں و نور افشان رہتا۔''

مقفی و مسجی عبارت آرائی کی روایت اردو میں تادیر قائم رہی۔تحسین اور سرور کے علاوہ بہت سے ادبا نے اس طرز تحریر کو اپنایا جن میں نیم چند کھتری اور امام بخش صہبائی قابل ذکر ہیں۔نیم چند کھتری نے فارسی کتاب ''قصہ گل وصنوبر'' کا ۱۸۳۷ء میں اردو ترجمہ کیا اور امام بخش صہبائی نے ایک فارسی کتاب ''حدائق البلاغت'' کا ۱۸۴۳ء میں اردو ترجمہ کیا۔ان دونوں کتابوں میں بھی روانی، قافیہ پیمائی اور مشکل عبارت آرائی دیکھنے کو ملتی ہے۔حدائق البلاغہ سے مثال ملاحظہ ہو:

''نسخہ حدائق البلاغ علم بیان اور بدیع اور عروض میں فقیر رحمۃ اللہ علیہ کے علم ملاعت رقم کا ثمرہ ہے اور اس کتاب کا اس فن استیعاب میں شہرہ ہے''

اس دوران ایک اور نثری اسلوب ابھر کر سامنے آیا۔جس نے قدیم روایت سے ہٹ کر اپنی ایک شناخت بنائی اور وہ اسلوب انشاء اللہ خان انشاؔ کا تھا۔انشاؔ نے اپنی مختصر ترین داستان رانی کیتکی کی کہانی ۱۸۰۳ء میں لکھی۔اس میں ایک منفرد اور نئے اسلوب کو متعارف کرایا اور اردو میں ایک خاص اسلوب کے موجد بن گئے۔انہوں نے فارسی، عربی، ترکی، پشتو وغیرہ غیر ملکی زبان کے الفاظ اور مقفی، مسجع، مصنوعی عبارت آرائی سے اجتناب برتا۔ایک

ہندوستانی اومقامی زبان کی آمیزش سے نئے اسلوب کا ہیولیٰ تیار کیا۔ انؔشا دراصل اردو میں ہندوستانی زبان کے شیریں اور خوبصورت الفاظ کو شامل کرنا چاہتے تھے۔ وہ عام فہم تشبیہات واستعارات اور تلمیحات وغیرہ کو رواج دینے کے حق میں تھے۔ اردو نثر کو فارسی، عربی اور تر کی الفاظ کے روایتی استعمال سے ہٹ کر اسے ہندوستانی رنگ وآہنگ دینا چاہتے تھے۔ وہ اس حوالے سے خود لکھتے ہیں:

''ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی کہ کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندی چھٹ اور کسی بولی کی پٹ نہ ملے تب جا کر میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے باھر کی گنواری کچھ اوس کے بیچ نہ ہو۔''

اسی نوعیت کی ایک اور تحریر آغا امانت لکھنوی کی ہے۔ انہوں نے جب ڈرامہ اندرسبھا کا دیباچہ لکھا تو اس میں مقفی عبارت لکھی جو کہ اس دور کی نثر کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسی طرح رجب علی بیگ سرور کے مکتوبات کا مجموعہ ''انشاء سرور'' اور غلام غوث بے خبر کے مکتوبات کا مجموعہ ''فغان بے خبر'' اور ''انشائے بے خبر'' بھی قدیم طرز تحریر کی نمائندہ تصانیف ہیں۔ انشائے سرور کو مرزا احمد علی نے مرتب کر کے ۱۸۸۶ء میں شائع کیا۔ جس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ سرور مکتوب نگاری میں کس قدر کمال رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے خطوط میں صرف مقفی و مسجع عبارت نہیں لکھی ہے بلکہ کہیں کہیں آسان اسلوب کا استعمال بھی کیا ہے۔ لیکن مقفی عبارتوں کے بہ نسبت اس کی تعداد ذرا کم ہے۔ وہیں غلام غوث بے خبر کے خطوط میں مقفی عبارت آرائی کے مقابلے فارسی الفاظ وتراکیب کا زیادہ استعمال دکھائی دیتا ہے۔ سادگی اور روانی بھی موجود ہے لیکن اس پر فارسی کا اس قدر غلبہ ہے کہ سادگی کا رنگ ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے اظہر علی فارقی لکھتے ہیں۔

''ان کا اسلوب مرزا رجب علی بیگ سرور اور مرزا غالب کے پیرایوں کی ایک ایسی درمیانی کڑی ہے جو ذرا سی حرکت سے کبھی سرور کے اسلوب سے ٹکرا جاتی ہے اور کبھی مرزا غالب کے پیرایہ بیان کی ہم آہنگی پر آمادہ ہو جاتی ہے''

(سب رس نمبر، ۱۹۶۹ء، ص: ۲۰۸)

اب تک ہم نے جن نثر نگاروں کی بات کی وہ قدیم طرز تحریر کے نمائندہ تھے۔ جنہوں نے فارسی، عربی کے زیر اثر اپنی تحریروں کو مقفی، مسجع عبارات آرائی اور مشکل تشبیہات واستعارات سے آراستہ کیا۔ اپنی علمیت وقابلیت اور زبان دانی کے اظہار کے لیے پر پیچ زبان لکھی، اردو نثر کو فارسی کا جامہ پہنایا۔ مزید بے انتہا مبالغہ آرائی، پرتکلف زبان اور انشا پردازی سے ایک مشکل نثر کی بنیاد ڈالی۔ لیکن یاد رہے کہ یہ اس دور کا ادبی رجحان تھا اور اس اسلوب اظہار سے ہٹ کر تحریر لکھنا لسانی بغاوت سے کم نہیں تھا۔ جس کے سب سے پہلے باغی میرامن تھے۔ جس جدید نثر

کا بنیا دگزار غالب کو کہا جاتا ہے، اس کی پہلی اینٹ میر امن نے ہی رکھی تھی۔

میر امن کی شاہکار تصنیف باغ و بہار جوانہوں نے فورٹ ولیم کالج میں لکھی تھی سادہ، عام فہم اور سلیس اسلوب کے لیے مقبول خاص و عام ہے۔ چوں کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام کا ایک مقصد انگریزوں کو ہندوستانی زبان سکھانا تھا اسی لیے فورٹ ولیم کالج کے تحت لکھی جانے والی نثر کسی قدر آسان اور سلیس تھی۔ ان تمام تصانیف میں سب سے زیادہ مقبولیت میر امن کی ترجمہ کردہ داستان باغ و بہار کو نصیب ہوئی۔ میر امن باغ و بہار میں لکھتے ہیں کہ:

> ''جو شخص دہلی کا روڑا ہو کر رہا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دربار امرا کو دیکھے اور میلے ٹھیلے، عرش، چھڑیاں۔ سیر و تماشا اور کوچہ گردی اس نہر کی ہوگی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھنا ہوگا، اس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے۔ .... جو لڑکے بالے عام و خاص بولتے چالتے ہیں اسی محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے''

(باغ و بہار)

میر امن کے بعد جدید نثر کی باقاعدہ شروعات غالب نے کی اور اپنا چراغ میر امن کے چراغ سے جلایا۔ غالب ابتدا میں فارسی نثر لکھتے تھے۔ ان کی نثری کتاب دستنبو بھی فارسی میں ہی ہے۔ اس کے علاوہ غالب نے ابتدائی دور کے خطوط بھی فارسی میں ہی لکھے اور انھوں نے اس میں کافی مشکل پسندی سے کام لیا۔ غالب نے آخر میں اردو خطوط کی طرف توجہ کی اور اردو نثر کو ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کر دیا۔ اس طرح جدید نثر کا باضابطہ آغاز ہوا۔ غالب فارسی سے اردو نثر کی طرف اپنی خرابی صحت اور ضعیفی کے سبب آئے کیوں کہ فارسی خطوط میں مسجع مقفیٰ عبارت آرائی اور مخاطب کے لیے طویل فقرے اور القاب برتنے کی استطاعت باقی نہ تھی۔ اس میں کافی محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے غالب نے مراسلے کے لیے اردو کو خطوط میں استعمال کرنا شروع کیا۔ غالب کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے مقفی و مسجع عبارت کے بجائے سادہ اور سلیس زبان استعمال کی۔ پر تکلف عبارت کے بجائے بے تکلفانہ انداز میں مکتوب الیہ کو مخاطب کیا۔ غالب کے دور میں بہت سے لوگوں نے ان کے اسلوب کو اپنایا۔ جن میں اہم نام میر مہدی مجروح کا ہے۔ غالب کے بعد اس طرز تحریر کو سرسید نے باقاعدہ رواج دیا۔ یوں تو ابتدا میں سرسید بھی پر تکلف زبان لکھتے تھے۔ جس کی مثال ''آثار الصنادید'' ہے، لیکن غدر کے بعد جب سادہ گوئی کی طرف مائل ہوئے تو اسے ایک مکمل تحریک کی شکل دے دی۔ دراصل سرسید جس نظریہ کے ساتھ ادب تخلیق کر رہے تھے۔ اس کی کامیابی آسان طرز اظہار میں ہی تھی۔ جس کے ذریعہ وہ ہر خاص و عام تک آسانی سے پہنچ سکتے تھے۔ سرسید کے بعد حالی، شبلی، نذیر احمد وغیرہ نے بھی اسی اسلوب کو اپنایا۔ ان حضرات نے اپنی تحریروں کو عام قاری کے لیے آسان بنایا۔

مندرجہ بالا مباحث سے واضح ہوا کہ اردو کے ابتدائی نثری نمونے پر تکلف اور پیچیدہ ہیں۔لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا مصنفین نے آسانی کا رویہ اختیار کیا۔ میر امن نے آسان طرز اظہار کی بنیاد رکھی۔ جس کی روشنی میں غالب، سرسید، حالی، شبلی، نذیر احمد وغیرہ نے اردو نثر لکھ کر اسے عوام سے قریب کرنے کی کوشش کی اور وہ شکل عطا کی جو آج ہمارے درمیان موجود ہے۔

26.3.2 جدید اردو نثر کا آغاز اور اسباب

انگریز ہندوستان تجارت کی غرض سے آئے لیکن ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کے زوال سے ملک میں جو افراتفری و بدامنی پھیل گئی اس کے پیش نظر انگریز تجارت کے علاوہ ہندوستان پر حکومت کا خواب سجانے لگے۔ ان کے خوابوں کی تعبیر سچ ہونے میں نوابوں اور راجاؤں کے آپسی چپقلش کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں کلائیو کی فتح کے بعد بنگال میں انگریزوں کے قدم مستحکم ہوگئے۔ اس کے بعد انگریز سیاسی، فوجی، عسکری، انتظامی و مالیاتی شعبہ جات میں بہتری کے لیے کئی اقدامات کرنے لگے۔ اب انہیں محسوس ہوا کہ اکثر افسران مقامی زبانوں سے ناواقف تھے۔ اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے افسران کو ہندوستانی زبان کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ اسی مقصد کے لیے فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں آیا، جس کا افتتاح ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء کو ہوا، لیکن اس کے افتتاح کی تاریخ ۴ مئی ۱۷۹۹ء لکھی گئی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ٹیپو سلطان کی شہادت اسی تاریخ کو ہوئی۔ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ۴ مئی ۱۸۰۱ء کو میر امن کا تقرر فورٹ ولیم کالج میں بحیثیت منشی عمل میں آیا۔ میر امن نے فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے دوران دو کتابیں تصنیف کیں۔ ایک ''باغ و بہار'' دوسری ''گنج خوبی''۔ باغ و بہار عطا حسین خان تحسین کی چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ میر امن نے جان گلکرسٹ کی فرمائش پر باغ و بہار کو عام بول چال کی زبان میں لکھا۔ چوں کہ کالج کا مقصد افسران کو اردو سکھانا تھا اسی لیے کالج میں تمام کتابیں آسان، سلیس اور عام فہم زبان میں لکھوائی گئیں۔ باغ و بہار اردو کی شاہکار تصنیف ہے۔ اس داستان سے پہلے بھی اردو نثر میں کئی کتابیں لکھی گئیں، لیکن ان کی زبان فارسی آمیز تھی۔ اس کے برعکس باغ و بہار عام فہم زبان میں لکھی گئی۔ گرچہ اس کی تصنیف کا مقصد انگریز افسران کو اردو زبان سکھانا تھا لیکن اس کے باوجود ادب میں طرز جدید کا اولین نقش قرار پائی۔

میر امن کے بعد مرزا غالب نے آسان و سلیس زبان میں نثر لکھی۔ انہوں نے اپنے مکتوبات کے ذریعے اردو نثر میں اپنے کمالات کے جوہر دکھائے۔ انہوں نے خطوط کی روایت سے ہٹ کر آسان، سادہ، سلیس اور مکالماتی انداز میں خطوط لکھے۔ غالب نے اپنے خطوط کے ذریعے جدید اردو نثر کی باقاعدہ بنیاد رکھی۔ یوں تو غالب نے ساری زندگی فارسی میں خطوط لکھے لیکن عمر کے آخری حصے میں اردو میں خطوط لکھنے لگے ہے۔ جس کا سبب بیان

کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں کہ:

''وہ (غالب) فارسی تحریریں بڑی محنت اور کاوش سے لکھا کرتے تھے۔اب اس کاوش کے ساتھ خطوط فارسی پر محنت کرنا دشوار تھا۔اسی لیے اردو میں خط و کتابت شروع کر دی۔''

جدید اردو نثر میں سرسید کا نام اہم ہے ان کا اسلوب ناصحانہ ہے۔سرسید سے پہلے مسجع ومقفّیٰ نثر لکھنے کا رواج عام تھا۔خود سرسید نے ابتدا میں مشکل نثر لکھی۔لیکن بعد میں آسان لکھنے کی طرف مائل ہو گئے۔سرسید کا مقصد قوم کی اصلاح اور اسے عملی زندگی کی طرف مائل کرنا تھا جس کے لیے ایسی تحریر کی ضرورت تھی عام فہم بھی ہو اور عوام فہم بھی۔اسی مقصد کی تکمیل کے لیے سرسید نے سادہ وسلیس زبان استعمال کی۔لفظی بازی گری سے قطع نظر استدلالی نثر کی بنیاد ڈالی۔سرسید کی تحریروں میں موضوعات کا تنوع ہے۔ادب، تاریخ، سیاست، فلسفہ اور مذہب وغیرہ سب پر وہ لکھتے رہے۔

سرسید کے بعد ڈپٹی نذیر احمد، حالی اور شبلی کا نام قابل ذکر ہے۔نذیر احمد نے سرسید کی طرح ہی اپنی قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا اور اپنے ناولوں کے ذریعے قوم کو بے عملی و بدعملی کے دلدل سے نکال کر حق وصداقت کے راستے پر لانے کی کوشش کی۔انہوں نے بھی اصلاح کے پیش نظر آسان زبان میں ناول لکھے۔نذیر احمد کے علاوہ جدید نثر میں نہایت اہم نام الطاف حسین حالی کا ہے جنھوں نے انجمن پنجاب لاہور کے ذریعہ اردو نظم کو نیچرل شاعری کا رنگ دیا اور اسے مقصدیت کا جامہ پہنایا۔نثر کو بھی افادی ادب کے پیرائے میں لکھ کر آسان لب ولہجہ کے ذریعہ اپنے موقف کا اظہار فرماتے رہے۔حالی زبان سے زیادہ مطالب پر توجہ دیتے تھے، ان کے نزدیک آرائش زبان وانشا پردازی کی حیثیت ثانوی ہے۔انہوں نے اپنی تحریروں کو تکلف اور مبالغہ سے دور رکھا۔خلوص اور سچائی کی آمیزش سے فطری اور واضح نثر کو فروغ دیا۔حالی نے ہمیشہ مقصدیت کو اولیت دی اور اپنی تحریروں سے اصلاح معاشرہ کا کام لیا۔یہی نہیں بلکہ ادب وسخن کو زندگی کا حقیقی ترجمان بنا دیا۔حالی کی نثری خدمات کا دائرہ وسیع ہے۔وہ ایک بہترین نقاد اور سوانح نگار ہونے کے ساتھ ساتھ با کمال مکتوب نویس بھی ہیں۔غالب کی طرح حالی کے خطوط کی زبان بھی سادہ اور سلیس ہے۔سوانح نگاری میں تو آپ نے کمال فن کا ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ اس کی مثال دور دور تک نہیں ملتی۔سوانح نگاری میں تو زبان کی سادگی، سلاست، پرکاری کا خاص خیال رکھا ہے۔اس طرح تنقید میں بھی آپ نے الفاظ کے پیچ وخم سے زیادہ ترسیل مطالب پر زور دیا ہے۔ان کی تمام تحریروں کی روشنی میں یہ بڑے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حالی کی تحریروں میں غالب اور سرسید دونوں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔حالی کی بہ نسبت شبلی کا اسلوب ذرا مختلف ہے۔وہ اپنی نثر میں تاثیر پیدا کرنے کے لیے شاعرانہ زبان استعمال کرتے ہیں۔خوبصورت الفاظ ہلکے پھلکے محاورے اور حسین تراکیب ان کی نثر میں شگفتگی پیدا کرتی ہے۔

شبلی کا اسلوب خطیبانہ اسلوب ہے۔ وہ کبھی کبھی اپنے خطیبانہ آہنگ اور جزباتیت کی رو میں بہہ جاتے ہیں۔ شبلی کی اسی خوبی کے پیش نظر خورشیدالاسلام نے کہا تھا کہ:

''شبلی پہلے یونانی ہیں جو ہندوستان میں پیدا ہوئے اور اگر انشا پرداز نہ ہوتے تو مصور ہوتے۔''

26.3.3 غالبؔ کا اسلوب نگارش

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے قدیم طرز تحریر یا دوسرے لفظوں میں مقفّیٰ و مسجع عبارت آرائی سے انحراف کا سلسلہ تو میر امن نے شروع کیا تھا۔ مگر اس طرز اسلوب کی باقاعدہ سرپرستی غالب نے کی۔ ادبی دنیا اگر ایک طرف غالب کی شاعرانہ عظمت کی معترف ہے تو دوسری طرف ان کی نثری انفرادیت کی بھی مداح ہے۔ غالب گو کہ ابتدا میں مشکل پسند رہے، مشکل لفظیات و تراکیب سے آراستہ غزلیں لکھیں، لیکن جلد ہی انہیں اس کا احساس ہوگیا اور اپنی پیچیدہ غزلوں کو دیوان سے نکال باہر کیا اور آسان گوئی کی طرف متوجہ ہوگئے۔ رہی بات نثر کی تو غالب ابتدا میں صرف فارسی نثر ہی لکھتے تھے۔ ان کا روزنامچہ دستنبو اور ابتدائی تمام خطوط فارسی میں ہی لکھے گئے جن سے غالب کی فارسی دانی اور زبان و بیان پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ غالب کا اردو نثری سرمایہ ان کے مکتوبات ہیں جو انہوں نے خرابیٔ صحت کے سبب عمر کے آخری حصے میں لکھے تھے۔ جنہوں نے اردو نثر میں ایک نیا انقلاب برپا کردیا۔ اب تک مکتوبات غالب کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں ''مہر غالب'' ۱۸۶۲ء مرتبہ عبد الغفور سرور، ''انتخاب غالب'' ۱۸۶۶ء، ''عود ہندی'' ۱۸۶۸ء مرتبہ منشی ممتاز علی خاں، ''اردوئے معلیٰ'' ۱۸۶۹ء مرتبہ حکیم غلام رضا خان، ''مکاتب غالب'' ۱۹۳۷ء مرتبہ امتیاز علی خان عرشی ''ادبی خطوط غالب'' ۱۹۳۹ء مرتبہ مرزا محمد عسکری، ''خطوط غالب'' ۱۹۴۱ء مرتبہ مولوی مہیش پرشاد، ''نادرات غالب'' ۱۹۴۹ء آفاق حسین آفاقی ''خطوط غالب'' ۱۹۵۱ء مرتبہ غلام رسول مہر اور ''غالب کے خطوط'' ۱۹۸۴ء مرتبہ خلیق انجم ہیں۔

مذکورہ تمام مجموعوں میں سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت ''عود ہندی'' اور ''اردوئے معلیٰ'' کو حاصل ہوئی۔ ان مجموعوں کے علاوہ غالب کے بہت سے خطوط مختلف جرائد و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تمام خطوط اردو نثر کی تاریخ میں صرف ایک اہم موڑ ہی نہیں بلکہ سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ابھی تک اردو نثر کی پہچان مقفّیٰ، مسجع اور مرصع عبارت میں قید تھی، مگر غالب نے آسان گوئی کو اپنا شیوہ بنالیا۔ پر تکلف نثر کو بے تکلفی کا رنگ دیا اور اسے گفتگو کا لہجہ عطا کیا۔ غالب نے اپنی نثر کو فارسیت اور مشکل تراکیب سے نکال کر ایک منفرد لہجہ اور انداز دیا جو کہ اردو کی اپنی شناخت بنی اس سے قبل اردو نثر بالخصوص خطوط میں عربی، فارسی کے مشکل اور غیر مانوس الفاظ و تراکیب، مسجع و مقفّی عبارت آرائی، پر پیچ اسلوب بیان اور مخاطب کے لیے طویل فقرے یا القاب کا کثرت سے استعمال ہوتا تھا، جس کے سبب تحریریں اور خطوط الفاظ و تراکیب کا مجموعہ بن کر رہ جاتے تھے اور اصل مقصد یا مدعا

کہیں پیچھے رہ جاتا تھا۔ اس طرح عبارت کو اول اور مدعا کو ثانوی سمجھ لیا جاتا تھا۔ غالب نے اس روایت کو توڑا اور مدعا کو اولیت کا مقام دلایا۔ غالب اپنی بات سیدھے سادے انداز میں کہتے ہیں۔ وہ خطوط میں پر تکلف القاب و آداب کا سہارا لیتے ہیں اور نہ ہی اپنی علمیت کے اظہار کے لیے الفاظ کی بازی گری پر توجہ صرف کرتے ہیں، بلکہ بے تکلفانہ اور نہایت ہی دوستانہ انداز میں مکتوب علیہ سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں جیسے کہ وہ سامنے موجود ہو۔ اس طرح انہوں نے تحریر کو تقریر اور مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''چاہتا ہوں کہ کم سے کم لفظوں میں اپنی بات کہ دوں اور تحریر کو تقریر کا آئینہ بنا دوں'' (بنام مرزا علی بخش خاں)

''میرزا صاحب میں نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے کہ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بہ زبان قلم باتیں کیا کرو ہجر میں وصال کے مزے لیا کرو۔'' (مکتوب بنام حاتم علی مہر)

مندرجہ بالا اقتباس میں غالب نے اپنی نئی دریافت اور مختلف انداز کے حوالے سے جو دعوے کیے ہیں وہ بالکل درست ہیں، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ غالب کے خطوط میں مکتوب الیہ اور مکتوب نگار کے درمیان بات چیت ہوتی ہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ دوست واحباب اور متعلقین کو بھی شامل کر لیتے ہیں، مثال دیکھیے:

''محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔ بھئی محمد علی بیگ لوہاروں کی سواریاں روانہ ہو گئیں۔ حضرت ابھی نہیں۔ آج کیا نہ جائیں گے؟ آج ضرور جائیں گے تیاریاں ہو رہی ہیں۔''

''اسی وقت تمہارا ایک خط اور یوسف میرزا کا ایک خط آیا۔ مجھ کو جو باتیں کرنے کا مزہ ملا تو دونوں کا جواب لکھ کر روانہ کیا۔''

مرزا غالب کسی کے خط آنے کو خود اس کا آنا کہتے ہیں:

''جس کا خط آیا میں نے جانا کہ وہ شخص تشریف لایا۔''

قلم سے بات چیت کرنے کا انداز غالب کی تحریر کا سب سے اہم اور نمایاں وصف ہے۔ وہ نثر میں مکالمے کو شامل کر کے ہجر میں وصال کے مزے لیتے ہیں۔ یوں تو غالب نے اپنے خطوط میں القاب و آداب سے حتی الامکان اجتناب کیا ہے لیکن ضرورت کے پیش نظر حسب مراتب القاب کا سہارا بھی لیا ہے۔

''مخدوم ومکرم ومعظم جناب مولوی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں ابلاغ سلام
مسنون السلام کے بعد عرض کیا جاتا ہے۔''

غالب کے خطوط کی ایک بڑی خصوصیت ظرافت ہے۔ ان کی تحریر میں بلا کی شوخی ہوتی ہے جو قاری کے اندر لطف وانبساط کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ قاری دوران قرأت خود کو مسکرانے سے نہیں روک پاتا۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ ظرافت کسی دوسرے کا مذاق اڑا کر یا کسی دوسرے پر فقرہ کس کر نہیں پیدا کرتے بلکہ ظرافت کا محور خود اپنی ذات کو ہی بناتے ہیں، اپنی حالت پر خود ہی ہنس لیتے ہیں۔ حالی غالب کی شوخی تحریر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے ستار کے تار میں سر بھرے ہوتے ہیں،
اور قوت متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلاق ہے، اس کو مرزا کے دماغ کے ساتھ
وہی نسبت تھی جو قوت پرواز کو طائر کے ساتھ۔''

(یادگار غالب، ص ۱۷۹۔۱۷۸)

مرزا غالب کی معاشی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ ایسے مکان میں رہتے تھے جس کی چھت ٹپکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مرزا کے لیے پریشان کن بات تھی، لیکن اس مشکل میں بھی اپنی تحریروں کے ذریعہ ظریفانہ حس کا ثبوت دیتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''کتابیں کہاں سے چھپواتا؟ روٹی کھانے کو نہیں، شراب پینے کو نہیں، جاڑے آتے ہیں، لحاف توشک کی فکر ہے۔ کتابیں کیا چھپواؤں گا۔ میاں میں بڑی مصیبت میں ہوں۔ محل سرا کی دیواریں گر گئی ہیں۔ پاخانہ ڈھئے گیا ہے، چھتیں ٹپک رہی ہیں۔ دیوان خانے کا حال محل سرا سے بدتر ہے۔......... ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتا۔''

غالب کے اس سادہ اسلوب نے ان کے عہد کے ادبا کو بھی خاصا متاثر کیا۔ بہت سے ادیبوں نے اس طرز میں خطوط لکھنا شروع کر دیا اور دیکھتے دیکھتے ایک کارواں بن گیا اور غالب کے طرز کو باقاعدہ ایک روایت کی شکل مل گئی۔ غالب کے طرز کو اختیار کرنے والوں میں ایک بڑا اور اہم نام میر مہدی مجروح کا ہے، انہوں نے بھی بعینہٖ غالب کا انداز اپنایا تھا۔ غالب نے خود اس بات کا اعتراف ایک خط میں اپنے مخصوص اسلوب میں اس طرح کیا ہے:

''میر مہدی جیتے رہو آفرین صد آفرین۔ اردو عبارت لکھنے کا کیسا اچھا ڈھنگ پیدا
کیا ہے یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی، سو ایک ظالم پانی پت انصاریوں کے

محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اسے بہل کیا، اللہ برکت دے۔''

غالب کے اسلوب کی جن خصوصیات پر ہم نے روشنی ڈالی ہے ان سے غالب کے نثری امتیازات کا پتہ چلتا ہے۔انھوں نے ایک نئی طرز تحریر کی نہ صرف ایجاد کی بلکہ اسے بام عروج پر پہنچایا اور انفرادیت کی وہ شمع جلائی جس کی روشنی میں اردو نثر نے آگے کا سفر بڑی آسانی کے ساتھ طے کیا۔غالب نے نثر کو اس قابل بنا دیا کہ اس سے اصلاحی کام بھی لیا جا سکتا تھا چنانچہ اس کا پورا فائدہ سرسید نے اٹھایا اور اس اسلوب کو قوم کی ترقی اور اس کی اصلاح کے لیے استعمال کیا۔

26.3.4 ماحصل

غالب نے جدید اردو نثر کی بنیاد رکھی اور اسے نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔ ماضی میں رائج مقفّیٰ و مسجع اسلوب سے صرف نظر آسان اور سیدھے سادھے اسلوب کی بنیاد رکھی جس میں گفتگو کا رنگ موجود تھا۔ غالب نے اپنے اسلوب کے ذریعہ ہی تحریر کو تقریر اور مراسلہ کو مکالمہ بنایا۔ان کی تحریروں میں سلیس اور سادہ زبان کے ساتھ ساتھ بلا کی شوخی اور شیرینی موجود ہے۔ جو غالب کی منفرد شناخت کا سبب بنی، غالب کے اسلوب سے ہی ان کی تحریروں کی شناخت ہو جاتی ہے۔ان کے یہاں الفاظ اور جملوں کے پیچ وخم سے زیادہ مافی الضمیر کے اظہار پر زور دیا گیا ہے۔جس کی روشنی میں ان کی سوانح اور اس عہد کی معاشرت کو مرتب کیا جا سکتا ہے۔ غالب تمام عمر فارسی نثر لکھتے رہے لیکن آخر وقت میں انہوں نے اردو نثر کی طرف توجہ کی اور دوست احباب سے رابطے کے لیے مکتوب نگاری کا سہارا لیا۔اس طرح اردو نثر کے ایک نئے دور کی شروعات ہوئی۔جس کے روح رواں غالب ہیں۔

26.4 آپ نے کیا سیکھا؟

عزیز طلبا! اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے:

- اردو کے نثری اسالیب سے واقفیت حاصل کی۔
- جدید نثری اسالیب کی روایت کا جائزہ لیا۔
- غالب کی اسلوبیاتی انفرادیت کو جانا۔
- جدید اردو نثر میں غالب کی اہمیت کو سمجھا۔
- قدیم اور جدید نثر کے مابین امتیاز کو جانا۔

26.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ انیسویں صدی کے نمایاں نثری اسلوب پر مختصراً اظہار خیال کیجیے۔

۲۔ جدید اردو نثر میں میر امن کی داستان باغ و بہار کی بنیادی خصوصیت بیان کیجیے۔

۳۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام کے اغراض و مقاصد مختصر طور سے تحریر کیجیے۔

۴۔ غالبؔ کی نثر کے انفرادی پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیے۔

۵۔ خطوط غالبؔ کی کسی ایک خصوصیت کو بیان کیجیے۔

26.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ انیسویں صدی کے نمایاں نثری اسلوب دو ہیں۔ایک سادہ اور سلیس اسلوب جس کی ترجمانی فورٹ ولیم کالج کی تصانیف اور تراجم کر رہی تھیں۔ بالخصوص میر امن کی داستان ''باغ و بہار'' جو اپنے سادہ اسلوب اور منفرد زبان و بیان کی بنا پر دنیائے ادب میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے رنگین و مقفّیٰ و مسجع عبارت آرائی والا اسلوب تھا۔ یہی دونوں اسلوب اس دور کے رائج اسلوب تھے۔اس دور میں انہیں دونوں اسلوب میں علمی و ادبی نثر لکھی جاتی رہی تھیں، بلکہ موخرالذکر اسلوب میں جہاں قافیہ پیمائی ہوتی تھی وہیں فارسی کے مشکل تراکیب، بھاری بھرکم الفاظ اور پیچیدہ انداز بیان سے نثر کو آراستہ کیا جاتا تھا۔وہ محاورے جو فارسی میں رائج تھے من وعن اردو نثر میں بھی لکھے جاتے تھے۔وہ تراکیب جن کا استعمال فارسی داں اپنی شاعری اور نثر میں کرتے تھے اہل اردو بھی اسے اس کی اصل شکل میں نقل کر دیتے تھے، بلکہ اس پر زیادہ زور دیتے تھے کہ مشکل تراکیب کیسے بنائی جائیں۔دراصل اردو نثر نگار نہ صرف فارسی داں تھے، بلکہ فارسی زبان و ادب اور اسلوب سے خاصہ متاثر بھی تھے۔ وہ اردو نثر میں بھی فارسی زبان کی شیرینی اور اس کے حسن کو داخل کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔

۲۔ میر امن کی شاہکار تصنیف باغ و بہار ہے۔ یہ اپنی بنیادی خصوصیت سادہ، عام فہم اور سلیس اسلوب کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہے۔اس کو انھوں نے فورٹ ولیم کالج میں لکھی تھی۔اس ادارہ میں لکھی گئی تمام کتابوں میں سب سے زیادہ مقبولیت میر امن کی ترجمہ کردہ داستان باغ و بہار کو ہی نصیب ہوئی۔

۳۔ ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی میں کلائیو کی فتح کے بعد بنگال میں انگریزوں کے قدم مستحکم ہو گئے۔اس کے بعد انگریز سیاسی،فوجی،عسکری، انتظامی و مالیاتی شعبہ جات میں بہتری کے لیے کئی اقدامات کرنے لگے۔اب انہیں محسوس ہوا کہ ہمارے اکثر افسران تو مقامی زبانوں سے ناواقف ہیں۔تو انھوں نے

اپنے افسران کو ہندوستانی زبان بالخصوص اردو سکھلانے کی خاطر فورٹ ولیم کالج کا قیام عمل میں لائے، جس کا افتتاح ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء کو ہوا، لیکن اس کے افتتاح کی تاریخ ۴ مئی ۱۷۹۹ء لکھی گئی۔

۴۔ غالبؔ کی اردو نثر تاریخ میں صرف ایک اہم موڑ ہی نہیں بلکہ سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، کیوں اس وقت اردو نثر کی پہچان مقفّٰی، مسجع اور مرصع عبارت سے ہی ہوتی تھی اور اسی طرز کی نثر کو معیاری تصور کیا جاتا تھا۔ مگر غالب نے آسان گوئی کو اپنا شیوہ بنایا۔ پُرتکلف نثر کو بے تکلفی کا رنگ دیا۔ اسے گفتگو کا لہجہ عطا کیا۔ انھوں نے اپنی نثر کو فارسیت اور مشکل تراکیب سے نکال کر ایک منفرد لہجہ اور انداز دیا جو کہ اردو کی اپنی شناخت بنی اس سے قبل اردو نثر بالخصوص خطوط میں عربی، فارسی کے مشکل اور غیر مانوس الفاظ و تراکیب، مسجع و مقفی عبارت آرائی، پر پیچ اسلوب بیان اور مخاطب کے لیے طویل فقرے یا القاب کا کثرت سے استعمال ہوتا تھا، جس کے سبب تحریریں الفاظ و تراکیب کا مجموعہ بن کر رہ جاتے تھے، اور اصل مقصد یا مدعا کہیں پیچھے رہ جاتا تھا۔ غالب نے اس روایت کو توڑا اور مدعا کو اولیت کا مقام دلایا۔ غالب اپنی بات سیدھے سادے انداز میں کہنے کے عادی تھے۔ وہ تکلف اور تصنع سے گریز کرتے تھے۔ وہ اپنی علمیت کے اظہار کے لیے الفاظ کی بازی گری پر توجہ صرف نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے نفس مضمون پر ہی ساری توجہ مرکوز رکھتے تھے۔

۵۔ غالبؔ کے خطوط کی ایک بڑی خصوصیت ظرافت ہے۔ ان کی تحریر میں بلا کی شوخی ہوتی ہے جو قاری کے اندر لطف و انبساط کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ قاری دوران قرأت خود کو مسکرانے سے نہیں روک پاتا۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ ظرافت کسی دوسرے کا مذاق اڑا کر یا کسی دوسرے پر فقرہ کس کر نہیں پیدا کرتے بلکہ ظرافت کا محور خود اپنی ذات کو ہی بناتے ہیں، اپنی حالت پر خود ہی ہنس لیتے ہیں۔

26.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معنی)
روڑا	:	پتھر، رکاوٹ
مسجع	:	آرائش سے مزین
بیضہ	:	انڈا
جناح	:	پر، بازو، پہلا
مقفّٰی	:	وہ اسلوب جس میں قافیہ کا التزام ہو
زاغ	:	کوا

سیمرغ	:	خیالی بہت بڑا پرندہ
عدالت گستر	:	انصاف پسند
بجا آرندہ	:	بجانے والا، پورا کرنے والا
بستہ کار	:	رکا ہوا کام
فرخندہ	:	مبارک
شعشہ	:	کرن، روشنی
سپہر	:	ڈھال
شوراق	:	روشن چیزیں
بوراق	:	بجلیاں

26.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔ یادگار غالب : الطاف حسین حالی

۲۔ داستان تاریخ اردو : حامد حسن قادری

۳۔ غالب کے خطوط : مرتبہ خلیق انجم

۴۔ غالب اور انقلاب ستاون : ڈاکٹر معین الرحمٰن

۵۔ ادبی نثر کا ارتقا : ڈاکٹر شہناز انجم

ignou THE PEOPLE'S UNIVERSITY